www.KitaboSunnat.com
اسلامی
تہذیب وثقافت
سید ابوالحسن علی ندویؒ
دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

اسلامی تہذیب و ثقافت

سید ابو الحسن علی ندویؒ

دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،
پوسٹ بکس ۱۴۸۵، اسلام آباد

نام کتاب	:	اسلامی تہذیب وثقافت
مصنف	:	سید ابوالحسن علی ندویؒ
ترتیب وتدوین	:	محمد شاہد رفیع
سرورق	:	سید مبین الرحمٰن
نگران طباعت	:	حیران خٹک
کمپوزنگ	:	الفا کمپوزنگ پوائنٹ، راولپنڈی
طابع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی پریس، اسلام آباد
تعدادِ اشاعت	:	۳۰۰۰
تاریخ اشاعت	:	۲۰۰۵ء
قیمت	:	۳۲ روپے

ناشر

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

پیش لفظ

سید ابوالحسن علی ندوی اس عہد کے سرکردہ مفکرین میں سے ہیں۔ بیسویں صدی کا آخری نصف ان کی علمی سرگرمیوں اور دعوتی کاوشوں سے متمتع رہا۔ ان کے دعوتی خطابات ہزاروں تک اور ان کی چھوٹی بڑی تصانیف سینکڑوں میں ہیں۔ بلاشبہ ان کی تحریریں ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے تاریخ، سوانح، تہذیب و ثقافت، عصر حاضر کا چیلنج اور بنیادی اسلامی تعلیمات پر بیش قیمت لٹریچر فراہم کیا ہے۔ ان کا اسلوب دلکش، زبان شیریں و موثر، ابلاغ کامل، انداز دلنشیں اور من بھاونا اور اس مستزاد ان کی شخصیت کی روحانی تاثیر بڑھنے لگیں تو چھوڑنے کو جی نہ کرے۔ زبان کی دلآویزی ہے کہ قلب و دماغ کو جذب کیے جاتی ہیں۔ منفرد اسلوب کے ساتھ فکری تعمق اور گہرا تجزیہ بھی شامل ہو تو تاثیر کی کوئی حد نہیں رہتی ہے۔ سید ابوالحسنؒ نے تفہیم دین کے جو پیرایہ اظہار اختیار کیا ہے وہ بے حد موثر ہے۔ ان کی تحریروں میں ایک معلم کی ہنرمندی اور ایک داعی کی تڑپ موجود ہے۔ کار دعوت میں مصروف کارکنوں کے لیے ان کی تحریریں بے حد مفید ہیں۔

دعوۃ اکیڈمی تفہیم دین اور فکری آگہی کے لیے سرگرم عمل ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ قارئین کو منتخب ہستیوں کی کاوشوں سے فہم اسلام کی ضرورتوں کو پورا کریں۔ عصر حاضر کے منتخب علماء و مفکرین کی تحریروں کو شائع کر کے اہل طلب تک پہنچاتے رہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ سید ابوالحسن

کی تحریروں کا انتخاب ایک کتابچے کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ ان کی تصانیف سے چند تحریریں منتخب کی گئی جن کا تعلق اسلامی شخصیت کی تعمیر اور اسلامی معاشرت کے استحکام سے ہے۔

کتاب کا عنوان اگرچہ ہمارا منتخب کردہ ہے تاہم اسے کتاب کے مواد سے گہرا تعلق ہے۔

کتاب میں نماز' اسلامی معاشرت' اسلامی تہذیب وثقافت اور تہذیب اخلاق وتزکیہ نفس جیسے موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔ یہ وہ موضوعات ہیں جو سید ابوالحسن علیؒ کے پسندیدہ ہیں اور ان کے بیان میں ان کے قلم کی روانی' زبان کی فصاحت اور اظہار کی بلاغت سطر سطر سے واضح ہوتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ دعوت الی اللہ کے کار خیر میں یہ انتخاب اپنا کردار ادا کرے گا۔ مصنف مرحوم تو یقیناً اسی صدقہ جاریہ سے اجر پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ دعوۃ اکیڈمی کے کارکنوں کو اپنے فضل سے نوازے کیونکہ انہوں نے کئی مشکل مراحل طے کر کے اسے موجودہ صورت میں چھپنے کے لیے تیار کیا ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی

ڈائریکٹر جنرل

دعوۃ اکیڈمی

نماز

اسلام کا پہلا رکن

نماز

عبادات میں اولین اور اہم رکن نماز ہے۔ یہ دین کا ستون ہے۔ یہ اسلام کا شعار اور مسلمان کی پہچان ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اسلام اور غیر اسلام کے درمیان فرق کرنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (روم: ۳۰۔۳۱)

نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں سے نہ ہونا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة

بندہ اور کفر کے درمیان (حد فاصل) ترک نماز ہے۔ (حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری میں روایت ہے)

ایک دوسری روایت میں ہے:

بين الكفر و الايمان ترك الصلوة

کفر اور ایمان کے درمیان (حد فاصل) ترک نماز ہی ہے۔ (ترمذی)

نماز نجات کی شرط اور ایمان کی محافظ ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و تقویٰ کی بنیادی شرائط کے طور پر بیان کیا ہے۔ نماز آزاد اور غلام، امیر اور غریب، بیمار اور تندرست،

مسافر اور مقیم ہر ایک پر ہمیشہ کے لیے اور ہر حال میں فرض ہے۔ کسی عقل و ہوش رکھنے والے بالغ انسان کو کسی حال میں اس سے چھوٹ نہیں مل سکتی۔ بیماری یا کسی مجبوری کی وجہ سے کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر کے بھی نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو اشارہ سے نماز پڑھنی ہو گی' لیکن یہ معاف نہ ہو گی۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی (خاص طریقہ پر) نماز ادا کرنے کا حکم ہے جسے صلوۃ الخوف کہا جاتا ہے۔ سفر میں یہ رعایت ہے کہ چار رکعتوں والی نماز (ظہر، عصر، عشاء) دو رکعتوں میں ادا کرلے۔ اس میں سنتیں اور نوافل اختیاری رہ جاتی ہیں۔ چاہیں تو پڑھ لیں ورنہ چھوڑ بھی سکتے ہیں۔

نماز ایک ایسا فریضہ ہے جو کوئی نبی اور رسول بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ یہ ولی اور عارف و مجاہد اور غریب اور کم پڑھے لکھے غرض ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ نماز مومن کے حق میں ایسی ہے جیسے مچھلی کے حق میں پانی۔ نماز مومن کے لیے پناہ اور امن کا سبب ہے۔ اور اگر نماز واقعی حقیقی نماز ہو تو وہ غیر اللہ کی عبادت، غیر اللہ کی غلامی، جاہلی زندگی اور برے اخلاق سے انسان کو بچا لیتی ہے کیونکہ دونوں میں کھلا ہوا تضاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَر (العنکبوت: ۲۹۔۴۵)

کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

نماز ایک روحانی غذا

چونکہ انسان کو اس زمین پر اللہ کا خلیفہ بننا تھا اور نہایت نازک منصب پر فائز ہونا تھا، اس لیے اس میں خواہشات بھی رکھی گئی ہیں اور کچھ ضرورتیں بھی اس کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہیں۔ اس میں جذبات بھی ہیں اور سوز محبت بھی، احساس الم بھی اور شعور مسرت بھی۔ ذوق جستجو بھی ہے اور شوق علم بھی۔ وہ زمین کے خزینوں اور دفینوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی پوری صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے۔ اس نازک اور

اہم منصب (خلافت ارضی) کی ذمہ داریوں کو نباہنے اور اس خاص مقصد کی تکمیل کے لیے جس کے لیے اس کی تخلیق کی گئی ہے اس کو چاند سورج، ستاروں، پہاڑوں، نباتات، جمادات اور حیوانات کی طرح مسلسل قیام، مسلسل رکوع، مسلسل سجدے اور مسلسل تسبیح و ذکر کا پابند نہیں بنایا گیا۔ بلکہ ان تمام باتوں کے پیش نظر انسان کے لیے عبادات کے ایک ایسے طریقہ یا نظام کی ضرورت تھی جو اس کی فطرت، فرائض منصبی، اس کائنات میں اس کے اس مرتبہ اور مقام کے ساتھ ہم آہنگ ہو جو خلافت الٰہی کی صورت میں اس کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔

ایک طرف عبادت اس کے لیے ضروری بھی تھی اس لیے کہ یہ اس کی فطرت کا تقاضا بھی ہے، اس کی ذمہ داری اور فریضہ وجود کا منشاء بھی، یہ اس کے ضمیر کی آواز، اس کی شرافت، اظہار انسانیت کی ضرورت اور قلب و روح کی غذا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ یہ عبادت اس کے قدو قامت اور شخصیت کے مطابق اور اس کی نازک اور اہم حیثیت اور اس کائنات میں اس کے منفرد مقام کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ یہ اس لباس کی طرح ہو جو اس کے قدو قامت پر پوری طرح راس آئے اور زیب دے۔ نہ تنگ ہو نہ ڈھیلا، نہ کم ہو نہ زیادہ۔ نماز در حقیقت یہی لباس ہے جو ٹھیک اس کے وجود پر پورا اتر رہا ہے اور جس میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نظر نہیں آتی۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (القمر: ۵۴۔۴۹)

ہم نے ہر چیز ایک خاص انداز سے پیدا کی ہے۔

پانچوں فرض نمازیں ان ہی اوقات میں ادا کرنا ضروری ہیں جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں۔ قرآن مجید میں ان اوقات کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ ان پانچ نمازوں کے لیے رکعتیں بھی متعین ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔

نماز کیسے پڑھی جائے

اللہ تعالیٰ نے نماز کو عزت و تعظیم، رقت و خشوع، وقار و سنجیدگی اور تعاون و

اجتماعیت کی ایک ایسی فضا اور ایسا ماحول عطا کیا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے مذہب و ملت کی عبادت میں نہیں ملتی، اس کا اندازہ ہمیں ان حکیمانہ احکام اور قوانین اور ہدایات و تعلیمات سے ہو گا جو آگے بیان کی جائیں گی۔

اب آپ ذرا معلوم کریں کہ نماز کس طرح ادا کی جائے۔ اس میں کیا پڑھا جائے۔ کیسے کھڑے ہوں اور کیسے جھکیں اور کس طرح اس کو شروع اور ختم کریں۔

اذان

سب سے پہلے اذان کو لیجیے جو پانچ وقت بلند آواز سے کہی جاتی ہے اور جس کی گونج سے کوئی قریہ، کوئی شہر اور کوئی محلہ مشکل سے خالی ہو گا، پہلے اذان کے الفاظ سنیے پھر اس کا ترجمہ پڑھیے:

الله اکبر الله اکبر، الله اکبر الله اکبر، اشهد ان لااله الا الله، اشهد ان لااله الا الله اشهدان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حی علی الصلوة، حی علی الصلوة، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، الله اکبر الله اکبر، لا اله الا الله

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ آؤ نماز کو، آؤ نماز کو، آؤ کامیابی کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے۔

اذان ۔۔۔ نماز کا اعلان اور اسلام کی دعوت ہے

نماز کے اعلان اور دعوت کے لیے جو پکار (اذان) نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہے اس میں صرف نماز کے مقاصد اور نماز کے معانی و حقائق کا اظہار نہیں بلکہ اس میں اسلام کے مقاصد، توحید کے شعار، اور دین کی روح بھی پوری وضاحت وبلاغت، اختصار اور حسن و نغمہ کے ساتھ اس طرح سمودی گئی ہے کہ اس اعلان نے (جو موذن دن میں پانچ مرتبہ مسجد کے میناروں سے بلند کرتا ہے) اسلام کی متعین اور ٹھوس دعوت کی شکل اختیار کرلی ہے۔ یہ وہ منفرد اور واحد پکار ہے جس میں دین کا لب لباب اور خلاصہ آگیا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اعلان بھی ہے کہ وہ ہر بڑے سے بڑا ہے۔ پھر اس میں دونوں شہادتیں موجود ہیں، توحید کی شہادت بھی اور رسالت کی شہادت بھی اشهد ان لااله الا الله اشهدان محمدا رسول الله اس میں نماز میں حاضری کی دعوت اور اس کا اظہار ہے کہ وہ دنیاو آخرت دونوں جگہ کی فلاح کا راستہ ہے اور اس کے بغیر فلاح کسی جگہ حاصل نہیں کی جاسکتی۔ ان سب باتوں کی وجہ سے اذان ایک ایسی جامع اور مکمل دعوت اور بلیغ اعلان بن گئی ہے جو قلب اور عقل دونوں کو ایک وقت میں مخاطب کرتا ہے۔ یہ اعلان مسلم و غیر مسلم دونوں کو متوجہ کرتا ہے۔ سست آدمی میں چستی پیدا کرتا ہے اور غافل کو ہوشیار و بیدار کرتا ہے۔

پاکی

نماز کے لیے طہارت اور وضو کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا ط وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ

اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (مائدہ ۵۔۶)

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو۔ اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (سارا جسم) پاک صاف کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجا کر کے آئے یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلیا کرو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں کو اس سے مسح کرلیا کرو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر تنگی ڈالے بلکہ وہ (تو یہ) چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر گزاری کرو۔

پاکی کا یہ اہتمام اور وضو اگر ایمان و احتساب [1] کے ساتھ عمل میں آئے تو وہ انسان کے اندر ایک قسم کی بیداری اور چستی، خیال و لحاظ کی کیفیت اور نماز کے استقبال اور اس کے نور و سکنیت کو قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وضو و طہارت کے فوائد کی تکمیل اور نماز کی تیاری کے لیے

---

(۱) ایمان واحتساب کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے اجر و ثواب پر پورا الیقین ہو اور وہ ان اعمال کو شوق و عظمت کے ساتھ انجام دے، اعمال کی قبولیت اور وزن میں اس کو بڑا دخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلم (یا مومن) بندہ وضو کرتا ہے اور اپنا منہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر گناہ جو اس نے اپنی نگاہوں سے کیا ہے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ دھل جاتا ہے، جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے سارے گناہ جو اس کے ہاتھوں سے سرزد ہوئے ہیں وہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل صاف و پاک ہوجاتا ہے۔ صحیح مسلم و مؤطا میں اتنا اضافہ ہے کہ جب وہ اپنے پیر دھوتا ہے تو اس کے پیروں سے جن سے چل کر اس نے کوئی گناہ کیا ہے سب گناہ دھل جاتے ہیں۔ (ترمذی)

(جو درحقیقت مومن کی اللہ تعالیٰ سے سرگوشی اور دعا و مناجات ہے) مسواک کرنے کی بھی تعلیم فرمائی ہے اور بہت تاکید کے ساتھ اس کی ترغیب دی ہے۔ اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں لوگوں کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (بخاری و مسلم)

نماز سے پہلے وضو

نماز سے پہلے مسلمان کو وضو کرنا ہوتا ہے، وضو طہارت کے اس خاص طریقہ کا نام ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، وضو میں پہلے پہونچوں تک تین مرتبہ[1] ہاتھ دھوئے جاتے ہیں پھر تین مرتبہ کلی کی جاتی ہے پھر تین مرتبہ ناک پانی سے صاف کی جاتی ہے، پھر تین مرتبہ منہ کو ماتھے کے بالوں سے ٹھڈی کے نیچے تک، اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک دھوتے ہیں۔ پھر داہنا ہاتھ کہنیوں سمیت تین مرتبہ دھو کر بایاں ہاتھ کہنیوں سمیت تین بار دھوتے ہیں، پھر ایک بار سارے سر کا مسح کرتے ہیں۔ یعنی ہاتھ تر کر کے سر کے بالوں پر ایک بار پھیر لیتے ہیں، پھر داہنا پاؤں ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوتے ہیں پھر بایاں پاؤں اسی طرح دھوتے ہیں۔ پیشاب، پاخانہ اور ریاح وغیرہ کے خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور وضو کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی، سو جانے سے بھی وضو کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ ایک وضو سے (اگر وہ نہ ٹوٹے) کئی کئی وقت کی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

مسجد میں مسلمان کا معمول اور طریقہ

مسجد جا کر اگر وضو ہے تو اسی وقت ورنہ وضو کر کے آدمی سنت یا نفل میں مشغول ہو جاتا ہے، اگر وہ اس سے فارغ ہو چکا ہے تو خاموش نماز کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے یا قرآن شریف کی تلاوت یا درود و وظیفہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ جماعت کا وقت آتا ہے تو پہلے

۱۔ تین مرتبہ دھونا مسنون ہے۔ دو یا ایک مرتبہ دھونے سے بھی وضو ہو جاتا ہے۔

اقامت کہی جاتی ہے جو جماعت کے شروع ہونے کا اعلان ہے۔ اس میں سب وہی الفاظ ہیں جو اذان میں کہے جاتے ہیں۔ صرف دو جملے زائد ہوتے ہیں۔ حی علی الفلاح کے بعد قدقامت الصلوٰۃ۔ قدقامت الصلوٰۃ۔ 'نماز کھڑی ہونے جا رہی ہے، نماز کھڑی ہونے جا رہی ہے۔

صف بندی اور امام و مقتدی کی جماعت

جو لوگ مسجد میں منتشر یا کسی خیر میں مشغول ہوتے ہیں سب صف میں آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اقامت کے خاتمہ پر امام جو محلّہ کا کوئی عالم دین یا حافظ قرآن یا کوئی پڑھا لکھا مسلمان ہوتا ہے [1] تکبیر کہتا ہوا کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھا کر ناف پر باندھ لیتا ہے اور نماز شروع کر دیتا ہے اور اس طرح وہ اور مقتدی غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے ہوئے خدا کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ نمازیوں سے آگے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے، کچھ دیر امام و مقتدی سب خاموش رہ کر ایک دعا پڑھتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

سُبْحَنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ

اے اللہ تو خوبیوں والا ہے اور تیرا نام مبارک ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

پھر اگر نماز جہری ہوتی ہے تو وہ آواز سے قراءت شروع کر دیتا ہے [۲] اس دعا سے فارغ ہونے کے بعد وہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے، یہ ہر نماز میں پڑھی جانے والی سورۃ ہے، اور

۱۔ اسلام میں اماموں اور عالموں کا کوئی مخصوص طبقہ (Priest Class) نہیں جن کے بغیر مسلمانوں کی عبادتیں نہ ادا ہو سکیں۔ کوئی اہل مسلمان اس فریضہ کو انجام دے سکتا ہے، انتظامی مصلحتوں اور سہولت کی وجہ سے اب اکثر مسجدوں میں امام اور مؤذن مقرر ہیں اور چونکہ وہ اس کام کے لیے اپنے کو فارغ کر دیتے ہیں اس لیے محلّہ کے مسلمانوں کی جماعت یا اوقاف سے ان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔

۲۔ پانچ نمازوں میں تین نمازیں جہری ہیں، مغرب، عشاء، فجر اور دوسری یعنی ان میں سوائے تکبیروں کے امام زور سے کچھ نہیں پڑھتا وہ ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں۔

یہ قرآن مجید کا دیباچہ (Preface) اور اسلام کا خلاصہ ہے۔ یہ قرآن مجید کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا حصہ ہے اور اس کا اسلام میں بڑا درجہ ہے۔ اس لیے اس کو یہاں مع ترجمہ کے نقل کیا جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۝ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، انصاف کے دن کا حاکم ہے، اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا نہ ان کے جن پر غصہ ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کا۔

اس سورۃ کے ختم پر امام اور مقتدی ”آمین“ کہتے ہیں جس کے معنی ہیں (اے اللہ ہماری دعا قبول فرما)

سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کے کسی ایسے حصہ کی تلاوت کا حکم ہے جو یاد ہو اور آسانی سے ذہن میں آجائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فاقرئوا ما تیسر من القرآن“ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ معانی و کیفیات اچھی طرح دلنشین ہو جائیں، ان کو مزید قوت اور غذا حاصل ہو، ان کی اچھی طرح تشریح و تفصیل ہو سکے اور ان کی جڑیں گہری اور مضبوط ہو جائیں، اس لیے کہ نماز عبادت بھی ہے اور تعلیم بھی۔

امام قرآن شریف کی کوئی سورۃ یا قرآن کی کچھ آیات پڑھتا ہے، یہاں پر دو مختصر سورتیں ترجمہ کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں:۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡعَصۡرِ o اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ o اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِo

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ زمانہ گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌo اَللّٰهُ الصَّمَدُo لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡo وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌo

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

اس کے بعد امام تکبیر کہتا ہے اور سب نیم ایستادہ ہو جاتے ہیں۔ اس کو رکوع کہتے ہیں۔ اس میں تین بار یا اس سے زائد "سبحان ربی العظیم" (پاک ہے میرا باعظمت پروردگار) کہا جاتا ہے پھر امام کہتا ہے "سمع الله لمن حمده" (اللہ نے اس کو سنا جس نے اس کی حمد بیان کی) اور لوگ ذرا دیر کے لیے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مقتدی "ربنا لك الحمد" (اے ہمارے رب تیرے واسطے سب خوبیاں ہیں) کہتے ہیں پھر امام "الله اکبر" کہتے ہوئے سجدہ میں جاتا ہے اور مقتدی بھی اس کی پیروی کرتے ہیں، سجدہ میں پیشانی اور ناک زمین پر ہوتی ہے، دونوں ہتھیلیاں کھلی ہوئی زمین پر ٹکی ہوتی ہیں، کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی اور بغلوں سے الگ ہوتی ہیں' گھٹنے زمین سے لگے ہوتے ہیں، سجدہ میں تین بار یا اس سے زائد "سبحان ربی الاعلی" (میرا رب سب سے بلند ہے) کہا جاتا ہے، اس کے بعد "**الله اکبر**" کہتے ہوئے خاص ہیئت سے سیدھے بیٹھ جاتے ہیں، پھر "الله اکبر" کہتے

ہوئے اسی طرح دوسرے سجدہ میں جاتے ہیں۔

سجدہ پوری نماز میں خدا کے قرب کی سب سے آخری شکل ہے اور خدا کو سب سے زیادہ محبوب وپسندیدہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ :۔

اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد فاکثرو ا الدعاء

(ابوداؤد، نسائی)

"بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے اس لیے اس میں خوب دعا کرو"۔

چنانچہ نمازی اس قیمتی موقع کو غنیمت جانتا ہے اور اپنا کلیجہ نکال کر خدا کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کی وہی ترکیب ہے جو پہلی رکعت میں گزری، اسی پر ہر رکعت کو قیاس کرنا چاہیے، ہر دو رکعت کے بعد بیٹھنا ضروری ہے۔ بیٹھ کر یہ دعا پڑھی جاتی ہے:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلاَمُ عَلَیْكَ اَیُّهَاالنَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلاَمُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

سب سلام اور رحمتیں اور پاک چیزیں خدا ہی کے لیے ہیں، اے اللہ کے نبی آپ پر خدا کی رحمت اور سلام ہو اور اس کی برکت نازل ہو اور سلام ہم پر اور خدا کے نیک بندوں پر ہو، میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

جس قعدہ کے بعد سلام پھیرنا ہوتا ہے تو حسب ذیل دعا کا اور اضافہ کیا جاتا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ

مَّجِیْدٌ۔

اے اللہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر نازل فرمائی ہے، یقیناً تو تمام خوبیوں والا ہے۔ اے اللہ برکت نازل کر حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر جیسی برکت نازل کی ہے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر یقیناً تو خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ ۲:۲۰۱)

اے اللہ ہم کو دے دنیا اور آخرت میں بھلائی اور جہنم کے عذاب سے بچا۔

اللهم انی اعوذبك من عذاب جهنم و اعوذبك من عذاب القبر واعوذبك من فتنة المحيا والممات واعوذبك من شر فتنة المسيح الدجال

اے اللہ بچا مجھ کو عذاب جہنم اور عذاب قبر سے۔ اے اللہ پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائش اور مسیح دجال کے فتنہ کے شر سے۔

مومن کی خود اعتمادی اور اس کی جماعت کا تعین

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا حق ادا کرنے اور نبی کریم حضرت محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے بعد نمازی کو بھی اس سلام و رحمت میں سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے، جس کا وہ محتاج اور متمنی ہے اور جو اسلام کا شعار اور مسلمانوں کا سلام ہے۔ وہ کہتا ہے "السلام علينا و على عباد الله الصالحين" (سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر) اس طرح اس کے مقام اور حیثیت کا تعین اور اظہار ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر دور میں صالحین کے ساتھ ہے اور سلام واخوت اور سلامتی و رحمت میں ان کا شریک اور برابر کا حصہ

دار ہے، یہ بات اس میں امید و خود اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ مایوسی افسردگی اور (ماہرین نفسیات کی اصطلاح میں) احساس کمتری کو زائل کرتی ہے۔ وہ اس کو اس امت کے دوسرے نمازیوں (جن میں بڑے بڑے علماء و فضلاء اور صالحین واہل اللہ شامل ہیں) کے ساتھ ایک صف میں کھڑا کر دیتی ہے اور سب کو ایک مرتبہ دیتی ہے۔

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (مجادلہ ۵۸:۲۲)

یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، خوب سن لو کہ اللہ ہی کے گروہ والے فلاح پانے والے ہیں۔

پھر نمازی اپنے لیے دعا کرتا ہے، اور عذاب قبر، عذاب جہنم، زندگی و موت کی آزمائشوں اور لغزشوں اور مسیح دجال کے فتنہ کے شر سے خدا کی پناہ چاہتا ہے اس لیے کہ یہ سب چیزیں اس قابل ہیں کہ ان سے خدا کی پناہ مانگی جائے، اور ان کے شر اور فتنہ سے حفاظت کی دعا کی جائے، حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نوحؑ کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں اور ہوشیار رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔"

نماز کا حسن اختتام

نماز کے اختتام پر سارے آداب و شرائط کو حسن و خوبی سے ادا کرنے کے بعد اور اس کے تمام حقوق کی تکمیل کے باوجود نمازی اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہے اور گویا زبان حال سے یہ کہتا ہے ماعبدناك حق عبادتك (ہم نے آپ کی ویسی عبادت نہ کی جیسا عبادت کرنے کا حق تھا) وہ نماز کا اختتام ان الفاظ پر کرتا ہے جو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو (جو آپ کے بعد امت میں افضل ترین شخص ہیں) تلقین فرمائے تھے:

اللهم انی ظلمت نفسی ظلما كثيراً ولا يغفرالذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحيم (صحیح بخاری)

اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا نہیں ہے کوئی ان گناہوں کو معاف کرنے والا، پس تو اپنے خاص عفو و کرم سے مجھے معاف فرما اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو مغفرت کرنے، رحم کرنے والا ہے۔

اس طرح اس افضل عبادت کا خاتمہ اپنی کوتاہی کے اعتراف اور احساس ندامت پر ہوتا ہے۔ اعمال کے خاتمہ کے لیے اس سے زیادہ مناسب و موزوں چیز کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

مساجد اور مسلم معاشرہ میں ان کی اہمیت و مرکزیت

اس مقصد کے لیے ایسی مساجد تعمیر کی گئیں جو اپنی سادگی و سنجیدگی، سکینت و لطافت، اپنی پر کیف روحانی فضا، پر سکون ماحول اور توحید کے کھلے ہوئے نمایاں شعائر میں دوسرے مذاہب و اقوام کی عبادت گاہوں سے بالکل مختلف ہیں۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَفِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِاللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (سورہ نور ۲۴: ۳۶، ۳۷)

(وہ) ایسے گھروں میں ہیں جن کے لیے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا آدب کیا جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے ان میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، جنہیں تجارت اور (خرید و) فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکواۃ دینے سے غافل نہیں کرتی وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْامَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (سورۃ جن ۷۲: ۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں (خاص) خدا کی ہیں تو خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔

(سورۃ اعراف ۷:۲۹)

اور ہر سجدہ کی جگہ اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اسے (یعنی اللہ کو) پکارا کرو، دین کو اسی کے واسطے خالص کر کے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (سورۃ اعراف ۷:۳۱)

اے اولاد آدم! ہر سجدہ گاہ کے موقع پر اپنا لباس پہن لیا کرو۔

مساجد بجا طور پر مسلمانوں کا دینی مرکز اور ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و رہنمائی کا سرچشمہ بن گئی تھیں، ان میں مسلمانوں کے اجتماعی و دینی معاملات حل کیے جاتے تھے۔ زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف مہموں میں ان کو احکام دیے جاتے تھے، جب کوئی بڑا واقعہ پیش آتا یا کوئی مہم در پیش ہوتی اور مسلمانوں کو نئی ہدایت اور نئی رہنمائی کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ حکم دیتے کہ مسلمانوں میں اعلان کر دیا جائے ''الصلواۃ جامعۃ'' یعنی دوسرے محلوں اور دور دور کے مسلمان بھی آج نماز مسجد نبوی میں پڑھیں کہ کوئی اہم بات کہنی ہے۔

مسجدوں کو یہ مرکزیت و جامعیت برابر حاصل رہی، ساری زندگی اسی محور کے گرد گھومتی تھی، علم و ہدایت کے سرچشمے، اصلاح و ارشاد کی تحریکیں سب اسی مرکز سے پیدا ہوتی اور پھیلتی تھیں۔

جمعہ ہفتہ کی عید

جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے بجائے جمعہ کی مخصوص نماز ہوتی ہے اس کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے۔ اس میں ایک طرف تو یہ کمی کر دی گئی ہے کہ چار رکعت کے بجائے دو رکعت ہوتی ہیں دوسری طرف یہ اضافہ ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ ہوتا ہے اور نماز جہری ہوتی ہے۔

جمعہ۔ اس کا درجہ اور خصوصیات

جمعہ کی نماز بہت سے ایسے آداب، ترغیبات اور متعدد ایسی خصوصیات اور اضافوں پر مشتمل ہے جن کی وجہ سے اس کی جلالت، شان اور عظمت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اور ان سے عبادات اور تقرب الی اللہ، مسلمانوں کی وحدت اور تعاون (علی البر و التقوی) کا نیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ((جمعہ ۶۲: ۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے تو نماز کے لیے چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

من ترك ثلاث جمع تها ونا بها طبع الله على قلبه (اصحاب سنن)

جو تین جمعے سستی و سہل انگاری میں چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

جمعہ کی نماز کے لیے غسل کرنے، مسواک کرنے، خوشبو لگانے اور زیادہ سے زیادہ پاکی و لطافت کا اہتمام کرنے کا حکم ہے۔ اس میں نماز سے قبل خطبہ بھی دیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ جمعہ کا جو خطبہ دیتے تھے وہ کوئی ایسا تقلیدی اور روایتی خطبہ نہ تھا جس میں نہ زندگی ہوتی ہے نہ روح، اور نہ کوئی پیغام و رہنمائی بلکہ وہ زندگی اور واقعات کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہوتا تھا۔ خطبہ کو بہت خاموشی اور سکون کے ساتھ سننے کا حکم ہے تاکہ اس پر سکون اور روحانی فضا میں اس کا پورا اور صحیح فائدہ حاصل ہو سکے' اس لیے کہ یہ عبادت کا محل ہے نہ کہ خطابت کا' خطبہ کے دوران گفتگو کو سختی سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے آدمی کو بات چیت کرنے سے روکنا بھی منع ہے، اس لیے کہ اس سے بھی سکون و وقار

میں فرق آجائے گا جو خطبہ میں مطلوب ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہو اس نے بھی زائد اور فضول بات کی۔

ایک عربی خطبہ کا ترجمہ

یہاں نمونہ کے طور پر ایک عربی خطبہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

''حمد و صلوۃ کے بعد ''لوگو! توحید کو اختیار کرو (اللہ کو اپنی ذات و صفات میں ایک سمجھو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھو) اس لیے کہ توحید خدا کی سب سے بڑی فرمانبرداری اور سب سے برگزیدہ عمل ہے، ہر کام میں اللہ سے شرم و لحاظ کرو، اس لیے کہ شرم و لحاظ کی عادت تمام نیکیوں کی بنیاد ہے، رسول اللہ ﷺ کے طور و طریق (سنت) کو مضبوط پکڑو، اس لیے کہ سنت، اطاعت و فرمانبرداری کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ صراط مستقیم پر گامزن اور منزل مقصود کا پانے والا ہو گا۔ دین میں جو نئی نئی باتیں (بدعات) نکالی گئی ہیں ان سے ہمیشہ دور رہنا اس لیے کہ ان کا نتیجہ خدا کی نافرمانی اور گمراہی ہے' اپنی پوری زندگی میں سچائی کا شیوہ اختیار کرو اس لیے کہ سچائی میں نجات اور جھوٹ میں ہلاکت ہے، احسان اور سلوک کو اپنی زندگی کا دستور بناؤ اس لیے کہ اللہ کو احسان کرنے والے محبوب ہیں۔ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو' اس لیے کہ وہ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، دنیا پر فریفتہ نہ ہو کہ سب کچھ کھو بیٹھو، دیکھو کسی کو اس وقت تک موت نہیں آسکتی جب تک کہ اس کو اس کی مقدور روزی نہ پہنچ جائے، اس لیے خدا کی نافرمانی اور حلال و حرام، جائز و ناجائز طریقہ پر روزی کمانے کی کوشش فضول ہے، اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وسائل بھی اچھے اختیار کرو، اپنے سب کاموں میں خدا پر بھروسہ رکھو اس لیے کہ اس کو اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کا بڑا خیال ہے، دعا میں کمی نہ کرو، اس لیے کہ خدا سب کی سنتا ہے اور سب کی جھولی بھرتا ہے' اس سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے رہو اور استغفار کرتے رہو اس سے

تمہارے مال واولاد میں برکت ہو گی، اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المومن ۴۰:۶۰)

تمہارے پروردگار نے کہہ دیا ہے کہ مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا' بے شک جن لوگوں کو میری بندگی اختیار کرنے سے عار آتا ہے اور ان کی شان کو بٹہ لگتا ہے، وہ دوزخ میں ذلیل و خوار ہو کر جائیں گے۔

''اللہ ہم کو اور تم کو قرآن کی دولت میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ عطا فرمائے، اور ہم سب کو اس کی آیتوں اور اس کی حکیمانہ نصیحتوں سے فائدہ پہنچائے، میں اپنے لیے، تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے خدا سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں تم بھی اس سے مغفرت چاہو' بے شک وہ بڑا غفور ورحیم ہے''۔

نمازیں جدا ہیں اور نمازیوں کے مرتبے بھی جدا

نماز کوئی ایسا آہنی سانچہ یا چوب خشک کی طرح کوئی جامد اور محدود چیز نہیں، جس میں سب یکساں ہوں اور ہر نمازی ایک سطح پر رہنے کے لیے مجبور اور اس سے آگے بڑھنے سے قاصر ہو، وہ دراصل ایک بہت بڑا اور وسیع و عریض میدان ہے، جہاں نمازی ایک حال سے دوسرے حال تک اور عروج سے کمال تک اور کمال سے ان منزلوں تک پہنچتا ہے، جو اس کے تصور و خیال سے بھی ماورا ہیں، اس میں لوگوں کا مرتبہ و مقام ایک دوسرے سے بہت مختلف اور جدا ہے، اور سب کی سطح الگ ہے، غفلت اور جہالت والی نماز استحضار اور تفقہ والی نماز کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے؟ اسی طرح عامتہ المسلمین اور عارفین واہل یقین کی نماز ایک درجہ پر کیسے رکھی جا سکتی ہے' پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ آج کی نماز کل والی نماز سے یا چند ماہ اور چند سال پیشتر والی نماز سے مشابہ ہو اور نمازی ہمیشہ ایک ہی معیار کی نماز پڑھتا رہے۔

اس لیے قرآن مجید میں نمازوں کا ذکر دو طرح آتا ہے، ایک کا برائی کے ساتھ

ایک کا اچھائی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُ وْنَ ٥ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ٥ (سورۃ ماعون ۱۰۷: ۴۔۷)

سو بڑی خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (اور) جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں اور حقیر چیزوں تک روکے رہتے ہیں۔

دوسری قسم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ

(سورۃ مومنون ۲۳: ۱۔۲)

یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی دو قسم کی نمازوں کا ذکر فرمایا ہے' ایک خشوع و خضوع اور رقت و کیفیت والی نماز اور ایک غفلت و لاپرواہی والی ناقص نماز، پہلی قسم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

وقد توضاء فاحسن الوضوء (ثم قال) من توضا وضوئی هذا ثم يصلی رکعتین لا يحدث فيهما بشئی غفر له ما تقدم من ذنبه

(بخاری و مسلم روایت حضرت عثمانؓ بن عفان)

آپ نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (پھر ارشاد ہوا) جو میرے وضو کی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور اس میں اپنے دل کے اندر کوئی خیال نہ لائے تو اس کے سارے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت ادا کرتا ہے اور اپنے دل اور چہرہ دونوں کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے (صحیح مسلم)

دوسری نماز کے متعلق عمار بن یاسرؓ آپؐ سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے

رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی نماز سے فارغ بھی ہو جاتا ہے، اور اس کو اس کی نماز کا صرف دسواں حصہ نصیب ہوتا ہے، اور بعض اوقات نواں آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی اور نصف"۔ (صحیح مسلم)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "سب سے برا آدمی وہ ہے جو اپنی نماز چرالیتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اپنی نماز کس طرح چراتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہ رکوع ٹھیک کرتا ہے نہ سجدہ۔" (نسائی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہتا ہے، جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کی دونوں سینگوں کے بیچ میں پہنچ جاتا ہے تو کھڑا ہو کر جس طرح مرغی چونچ مارے اس طرح عجلت کے ساتھ چار رکعت پڑھتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد کم ہی ہوتی ہے"۔ (صحیح بخاری)

نماز میں لوگوں کے مراتب مختلف ہیں، ایک کی نماز کو دوسرے کی نماز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سب سے زیادہ افضل، اکمل اور اعلیٰ وارفع تھی اور خدا کی میزان میں اس کا وزن سب سے زیادہ تھا، حضرت ابو بکرؓ کی نماز کسی دوسرے کی نماز کی بہ نسبت حضورؐ کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہ اور قریب تھی، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں ان کو اپنی جگہ امامت کا حکم فرمایا، اور حضرت عائشہؓ کی اس رائے کے باوجود کہ حضرت عمرؓ نماز پڑھائیں، آپؐ نے فرمایا "ابو بکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں" (بخاری) چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔

اس کے علاوہ لوگوں کے درجہ اور مرتبہ کا صحیح اندازہ نماز سے جتنا ہو سکتا ہے، اتنا کسی اور چیز مثلاً علم، ذہانت اور کسی علمی خدمت سے نہیں ہو سکتا، نماز ہی وہ صحیح پیمانہ ہے، جس پر انسان کے دین کا اور اسلام میں اس کے مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اسلامی تاریخ میں جن شخصیتوں کے نام زندہ وجاوید ہیں اور جو اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز نظر آتی ہیں، ان کو یہ مرتبہ و مقام اور یہ بقاء دوام اسی نماز میں امتیاز و خصوصیت پیدا کرنے اور اس کے درجہ احسان تک پہنچنے سے حاصل ہوا ہے۔

مسلمانوں کی معاشرت

ولادت سے بلوغ تک

مسلمانوں کی معاشرت

ولادت سے بلوغ تک

شریعت اسلامی نے ایک مسلمان کے لیے پیدائش سے موت تک اس کے انتظامات کیے ہیں اور ایسا ماحول بنانے کی کوشش کی ہے جس میں مسلمان اس حقیقت کو فراموش نہ کرنے پائے بلکہ ہر وقت زندگی کی ہر منزل میں اسے یاد رہے کہ ہم ایک الگ امت ہیں۔ ہم ملت ابراہیمی اور امت محمدی کے فرد اور ایک مخصوص شریعت اور آئین اور مسلک زندگی کے پیرو اور خدا کے وفادار بندے ہیں۔ ہماری زندگی بھی اسی آئین و مسلک کی وفاداری میں گزرے اور جب موت آئے تو اسی دین و ملت پر آئے۔

بچہ کی پیدائش اور اس کے کانوں میں اذان اور اقامت

کسی مسلمان کے گھر میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خاندان یا محلّہ کے کسی نیک اور بزرگ آدمی کے پاس اسے لاتے ہیں۔ وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہتا ہے۔ یہ اذان و اقامت (جس کے الفاظ اور ترجمہ نماز کے مضمون میں گزر چکا ہے) نماز کے لیے مخصوص ہے۔ بچہ نماز تو درکنار اس اذان و اقامت کا مطلب اور مقصد بھی نہیں سمجھتا۔ شاید اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کے کان میں اللہ کا نام اور اس کی عبادت کی پکار پڑے۔ ایسے موقع پر کسی بزرگ کے چبائے ہوئے کھجور یا چھوہارے کا ایک ریزہ برکت کے لیے اس کے منہ میں دینے کا بھی رواج ہے۔ یہ بات پیغمبر خدا ﷺ کے طریقہ عمل سے بھی ثابت ہے اور یہ سنت وہیں سے چلی ہے۔

بچہ کا عقیقہ اور اس کا طریقہ

ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کرنا مستحب [1] ہے۔ کسی وجہ سے اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودھویں دن' اسی حساب سے بعد میں ہوتا ہے۔ اگر بچہ ہے تو دو بکرے اور اگر بچی ہے تو ایک بکرا ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت غریبوں اور عزیزوں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور گھر میں بھی پکا کر کھایا اور کھلایا جاتا ہے لیکن نہ عقیقہ شرعی حیثیت سے فرض اور واجب ہے نہ ان جانوروں کا ذبح کرنا اور اگر کوئی عقیقہ نہیں کر سکتا تو اس کا کرنا ضروری نہیں ہے۔

بچہ کا نام اور اس میں اسلامیت کا اظہار

عام طور پر ایسے ہی عقیقہ کے موقع پر بچہ کے نام کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ اکثر خاندان کے کسی بزرگ یا محلّہ و مسجد کے کسی صاحب علم اور نیک آدمی سے نام تجویز کرایا جاتا ہے یا خود والدین یا ان کے بزرگ اپنی پسند کا کوئی نام انتخاب کر لیتے ہیں، نام رکھنے میں اکثر عربی طرز کے ناموں کو ترجیح دی جاتی ہے تاکہ بچوں کے نام سے اسلامیت کا اظہار ہو اور نام ہی سے سمجھ لیا جائے کہ وہ مسلمان ہے، مسلمان دانشور اس میں بہت سے نفسیاتی (Psychological) فوائد بھی بتاتے ہیں اور بعض ایسے ملکوں کا حوالہ دے کر اس پابندی کی اہمیت پر زور دیتے ہیں جہاں نام سے یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ آدمی مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے اس بارے میں شریعت نے قانونی طور پر مسلمانوں کو خاص ناموں کا پابند نہیں کیا ہے۔ صرف اتنی راہنمائی کی ہے کہ بہترین نام وہ ہیں جن سے خدا کی بندگی (یعنی توحید) کا اظہار ہو۔ اس لیے دنیا کے تمام اسلامی ملکوں کے مسلمانوں کے نام کی اکثریت وہ ہے جو عبد (بندہ) کے لفظ سے شروع ہوتی ہے مثلاً عبد اللہ، عبد الرحمن، عبد الواحد، عبد الاحد، عبد الصمد، عبد العزیز، عبد الماجد، عبد المجید وغیرہ۔ ہاں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ نام سے شرک، تکبر یا نافرمانی کا اظہار نہ ہوتا ہو اسی بنا پر ملک الملوک اور شہنشاہ کے الفاظ ناپسند کیے گئے ہیں۔

---

[1] جس کام کے کرنے پر اجر ملے لیکن نہ کرنے پر کوئی مواخذہ یا گناہ نہ ہو اسے مستحب کہتے ہیں۔

برکت و نیک نامی کی خاطر انبیاء و صحابہ کے ناموں کو ترجیح

ناموں کے سلسلہ میں ایک مسلمان کا ذہن سب سے پہلے قدرتی طور پر اپنے پیغمبرؐ، اس کے جلیل القدر رفیقوں اور ساتھیوں اور اس کے خاندان کے قابل احترام و محبت افراد کی طرف جاتا ہے اور وہ برکت کے لیے ان کے ناموں کو ترجیح دیتا ہے۔

ناموں کے سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کا نسلی تعلق اور مسلمانوں کی زیادہ تر ذہنی وابستگی اسماعیلی شاخ سے ہے۔ اور بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل (عربوں اور یہودیوں) میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کے عقیدہ میں خدا کے سب پیغمبر قابل احترام اور قابل تعظیم ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے، قطع نظر اس بات سے کہ وہ اسماعیلی شاخ میں ہوئے ہوں یا اسرائیلی شاخ میں، اس لیے مسلمان ناموں کے بارے میں کسی نسلی تعصب کا شکار نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تنہا ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے مسلمان ہوں گے جن کا نام اسحٰق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے نام پر رکھا گیا ہوگا اور وہ اسحٰق، یعقوب، یوسف، داؤد، سلیمان، موسیٰ، ہارون، عیسٰی، عمران، زکریا اور یحییٰ کہلاتے ہیں اور یہ سب اسرائیلی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں میں مریم، صفورا، آسیہ نام پائے جاتے ہیں جو اسرائیلی شاخ کی بزرگ خواتین کے نام ہیں۔

پاکی اور طہارت کی تعلیم

بچہ جب کچھ سیانا ہوتا ہے اور کچھ سمجھنے بوجھنے لگتا ہے تو اس کو طہارت لینے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یعنی پیشاب پاخانہ کے بعد پانی سے پاکی حاصل کرنا، ناپاک چیزوں سے بچنے اور جسم اور کپڑوں کو ناپاکی سے بچانے کی ہدایت کی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ بچہ پورے طور پر اس بارے میں احتیاط نہیں کر سکتا اور اس میں ماحول، تعلیم و تربیت اور خاندانی مشغلہ اور پیشہ کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ لیکن پھر بھی دیندار ماں باپ اس کا اہتمام کرتے ہیں اور کرنا چاہیے (کیونکہ اسی طرح اس کے ذہن میں پاکی اور طہارت کا تصور بیٹھ سکتا ہے)

نماز کی تلقین، اس کی تعلیم اور عملی مشق

اس عمر میں بچہ کو وضو کرنا بھی سکھا دیا جاتا ہے اور نماز کا بھی شوق دلایا جاتا ہے۔ باپ یا خاندان کے بزرگ بچہ کو اکثر اپنے ساتھ مسجد لے جاتے ہیں اور وہ اپنے بزرگوں اور محلّہ والوں کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز کی نقل کرنے لگتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو نماز پڑھنے کی ہدایت کی جائے اور جب دس برس کا ہو تو زیادہ تاکید کی جائے اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ کی جائے۔

اسلامی آداب و معاشرت کی تعلیم و تربیت

اسی عمر میں دیندار ماں باپ بچہ کو اسلامی آداب کی تعلیم دیتے ہیں۔ مثلاً سب اچھے کام (کھانا کھانا، پانی پینا، مصافحہ کرنا وغیرہ) دائیں ہاتھ سے کیے جائیں اور استنجا وغیرہ بائیں ہاتھ سے کیا جائے۔ پانی بیٹھ کر اور حتی الامکان تین سانسوں میں پیا جائے، بڑوں کو سلام کیا جائے، چھینک آنے پر الحمد للہ (اللہ کا شکر ہے) کہا جائے، کھانا بسم اللہ کہہ کر شروع کیا جائے اور حمد و شکر پر ختم کیا جائے۔ اسی عمر میں اس کو قرآن شریف کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور روزمرہ کے اذکار یاد کرائے جاتے ہیں۔ خدا کے پیغمبروں اور نیک بندوں کے ایسے واقعات اور حالات سنائے جاتے ہیں جن سے اس کے عقائد درست اور پختہ، خیالات نیک اور اچھے بنیں، اور وہ ان کو مثالی کردار سمجھنے لگے۔

بلوغ کے بعد سے موت تک

بلوغ (۱) کے ساتھ لڑکے پر نماز روزہ اور خاص شرطوں کے ساتھ (جن کی تفصیل مسئلہ مسائل کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے) زکوٰۃ اور حج فرض ہو جاتے ہیں اور ان کے چھوڑنے پر گنہگار ٹھہرتا ہے۔ اب حلال، حرام، ثواب، عذاب کا قانون اس پر جاری ہو

۱۔ بلوغ کے لیے پندرہ سال کی عمر کافی سمجھی جاتی ہے۔

جاتا ہے اور وہ ایک ذمہ دار اور عاقل بالغ انسان کی طرح اپنے اعمال کا اس زندگی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں جواب دہ ہو جاتا ہے۔

نکاح مسنون

اسلام میں نکاح کا فریضہ اور شادی کی تقریب بہت سادہ اور مختصر ہے۔اس کو زندگی کے ایک فریضہ ،ایک فطری تقاضہ اور ایک عبادت کی حیثیت سے ادا کیا جانا چاہیے۔ ایجاب و قبول کے دو لفظ اور دو گواہ اس کے لیے ضروری ہیں۔اس کا مقصد یہ ضمانت ہے کہ یہ تعلق مجرمانہ اور رازدارانہ طریقہ پر اور چوری چھپے نہیں ہے۔اسی لیے (غیر ضروری لوازمات سے بچتے ہوئے) کسی قدر اعلان اور تشہیر کے ساتھ اس کا ہونا ضروری ہے۔اور اس کے لیے گواہ لازمی ہیں۔مرد مہر کا ادا کرنا ضروری سمجھے۔اور عورت کی حفاظت و عزت،اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری لے۔اس کے سوا اور کوئی چیز ضروری نہیں ہے۔

اسلام کی تاریخ میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ باوجود اس کے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم اور مدینہ کی آبادی بہت محدود تھی،بعض ایسے صحابہ نے جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور جن سے رسول اللہ ﷺ کے نہایت گھرے خاندانی اور وطنی تعلقات تھے،مدینہ میں شادی کی اور محفل نکاح میں خود پیغمبر اسلام ﷺ کی شرکت (جن کی شرکت باعث برکت بھی اور موجب عزت بھی تھی) کو ضروری نہیں سمجھا اور آپ کو اس پر مسرت واقعہ کا علم،واقعہ کے انجام پانے کے بعد کسی طرح سے ہوا۔

نکاح خوانی کی رسم اور اس کا طریقہ

زیادہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ یا کوئی دوسرا ولی [1] نکاح پڑھائے اس

۱۔ فقہ کی اصطلاح میں ولی لڑکی کا وہ مرد رشتہ دار ہے جو عاقل، بالغ ہو، وارث ہو سکتا ہو، اور اس کو شریعت نے تصرف کا اختیار دیا ہو۔

لیے کہ حضرت فاطمہؓ کا نکاح خود آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے پڑھایا، اس وقت دو گواہ اور ایک وکیل (۱) لڑکی کے پاس جا کر اس کو اطلاع دیتے ہیں کہ اس کا نکاح فلاں مرد سے اتنے مہر پر کیا جا رہا ہے۔ اس کا جواب عام طور پر خاموشی سے دیا جاتا ہے اور اس کو رضامندی کی دلیل اور منظوری سمجھا جاتا ہے۔ یہ گواہ اور وکیل عام طور پر افراد خاندان اور لڑکی کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ نکاح خواں اس کے بعد بلند آواز سے قرآن شریف کی کچھ آیات، چند احادیث اور دعائیہ کلمات عربی میں کہتا ہے جس کو خطبہ نکاح کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایجاب و قبول کراتا ہے۔ جس کے عام الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ "میں نے فلاں صاحب کی لڑکی جس کا نام یہ ہے، کو ان کی طرف سے اتنے مہر پر تمہارے نکاح میں دیا۔ تم نے قبول کیا؟" اس پر دولہا اتنی آواز میں جو قریب میں سن لی جائے کہتا ہے "میں نے قبول کیا" پھر قاضی اور شرکائے محفل دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ زوجین میں محبت و الفت ہو اور ان کی ازدواجی زندگی کامیاب اور پر مسرت گزرے۔

نکاح کے وقت مختصر سی تقریر اور حقوق زوجین کا ذکر

اب کچھ عرصہ سے بہت سے علماء خطبہ کا عربی حصہ اور آیات پڑھنے کے بعد اردو میں مختصر تقریر بھی کرنے لگے ہیں جس میں نکاح کی حقیقت اور اس کے فرائض اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ یہ محض رسمی اور تفریحی ہو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ اس میں دولہا اور حاضرین مجلس کو دینی اور اخلاقی پیام ملے اور ان کے اندر احساس ذمہ داری بیدار ہو۔

۲۔ وکیل وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کے حقوق میں اس کی اجازت یا حکم سے بطور نائب کے تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔

ایک تقریر کا نمونہ

یہاں اس تقریر کا ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے جو ایک محفل نکاح میں ریکارڈ کرلی گئی تھی اور جو اس اصلاحی طرز کی بہت حد تک نمائندگی کرتی ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا(۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ(۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا(۳)

حضرات! یہ نکاح محض رسم ورواج کی پابندی اور محض نفس کے تقاضے کی تکمیل نہیں۔ نکاح کی سنت ایک عبادت نہیں بلکہ متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اس سے ایک حکم شرعی نہیں، درجنوں اور بیسیوں شرعی احکام متعلق اور وابستہ ہیں، اس کا مقام قرآن شریف میں بھی ہے اور حدیث میں بھی۔ اور فقہ کی کتابوں میں تو اس کا مستقل باب ہے لیکن

۱۔ النساء ۴:۱۔ (ترجمہ) لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو' ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

۲۔ آل عمران ۳:۱۰۲ (ترجمہ) مومنو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔

۳۔ الاحزاب ۳۳:۷۰۔۷۱' (ترجمہ) مومنو! خدا سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا۔

اس سنت سے غفلت اتنی عام ہے جتنی شاید کسی اور سنت اور فریضہ سے نہیں بلکہ اس کو اللہ کی نافرمانی، نفس کی رعونت، شیطان کی اطاعت، رسم ورواج کی پابندی کا میدان بنالیا گیا ہے۔ اس میں ہماری زندگی کے لیے پورا پیام ہے۔ اس کا اندازہ آپ قرآن شریف کی ان آیات ہی سے کر سکتے ہیں جن کا پڑھنا خطبہ نکاح میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ جو شروع میں پڑھی گئی ہیں، پہلی آیت میں نسل انسانی کے آغاز کا تذکرہ ہے جو اس مبارک موقع پر نہایت مناسب اور فال نیک ہے کہ حضرت آدمؑ کی ایک اکیلی ہستی تھی، اور ایک رفیقہ حیات جن سے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی تخلیق کی، جس نے روئے زمین کو بھر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان دو ہستیوں میں ایسی محبت والفت اور ان کی رفاقت میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج دنیا اس کی گواہی دے رہی ہے' تو خدا کے لیے کیا مشکل ہے کہ ان دو ہستیوں سے جو آج مل رہی ہیں ایک کنبہ کو آباد اور خاندان کو شاد و بامراد کردے۔

پھر فرماتا ہے، اپنے اس پروردگار سے شرم کرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔

حضرات! ساری زندگی مسلسل اور مکمل سوال ہے، تجارت، حکومت، تعلیم سب ایک طرح کے سوالات ہیں، ان میں ایک فریق سائل ہے دوسرا فریق مسئول' یہی متمدن زندگی کا خاصہ ہے، یہ عقد اور نکاح کیا ہے؟ یہ بھی ایک مہذب اور مبارک سوال ہے، ایک شریف خاندان نے ایک دوسرے شریف خاندان سے سوال کیا کہ ہمارے نور عین اور لخت جگر کو رفیقہ حیات کی ضرورت ہے، اس کی زندگی نامکمل ہے، اس کی تکمیل کیجیے، دوسرے شریف خاندان نے اس سوال کو خوشی سے قبول کیا پھر وہ دونوں اللہ کا نام بیچ میں لاکر ایک دوسرے سے مل گئے' اور دو ہستیاں جو کل تک ایک دوسرے سے سب سے زیادہ بیگانہ، سب سے زیادہ اجنبی اور سب سے زیادہ دور تھیں وہ ایسی قریب اور یگانہ بن گئیں کہ ان سے بڑھ کر یگانہ اور قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، ایک کی قسمت دوسرے سے وابستہ اور ایک کا لطف و انبساط دوسرے پر منحصر ہو گیا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، جس نے حرام کو حلال،

ناجائز کو جائز، غفلت اور معصیت کو اطاعت و عبادت بنادیا اور زندگیوں میں انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب اس نام کی لاج رکھنا' بڑی خود غرضی کی بات ہو گی کہ تم یہ نام درمیان میں لا کر اپنی غرض پوری کر لو اور کام نکال لو، پھر اس پر عظمت نام کو صاف بھول جاؤ اور زندگی میں اس کے مطالبات پورے نہ کرو' آئندہ بھی اس نام کو یاد اور اس کی لاج رکھنا پھر فرمایا کہ ہاں رشتوں کا بھی خیال رکھنا۔"واتقوا الله الذی تساء لون به والارحام" (اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو، اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو)۔ آج ایک نیا رشتہ ہو رہا ہے اس لیے ضرورت پڑی کہ قدیم رشتوں کا بھی ذکر کر دیا جائے کہ اس رشتہ سے قدیم رشتوں کا دور اور ان کے حقوق ختم نہیں ہو جاتے، ایسا نہ ہو کہ بیوی کے رشتہ کو یاد رکھو اور ماں کے رشتوں کو بھول جاؤ، خسر کی خدمت بھی ضروری سمجھو اور اپنے حقیقی اور فطری باپ سے منہ موڑ لو، اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ ایسی باتوں کی کون نگرانی کرے گا اور کون ہمیشہ ساتھ رہے گا تو فرمایا"ان الله كان عليكم رقيبا"(کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے) اللہ اس پر نگراں ہے، یہ وہ گواہ ہے جو ہر وقت ساتھ رہے گا"نحن اقرب اليه من حبل الوريد"(اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں)۔

دوسری آیت میں ایک تلخ مگر ناگزیر حقیقت یاد دلائی گئی ہے، یہ خدا کے پیغمبر ہی کی شان ہے کہ ایسی محفل مسرت و شادمانی میں ایسی تلخ حقیقت کا ذکر کرے' جس سے آدمی اپنے انجام سے غافل نہ ہونے پائے اور اس دولت پر نظر رکھے جو ساتھ جانے والی اور ہمیشہ ساتھ رہنے والی ہے، یعنی دولت ایمان' فرمایا کہ یہ زندگی کتنی ہی پر مسرت، اقبال مند اور طویل ہو، اس کی فکر رکھنا کہ اس کا اختتام خدا کی فرمانبرداری، اور ایمان و یقین پر ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو دنیا کے ایک کامیاب ترین انسان، جس کو اللہ نے فضل و کمالات، دولت و اقبال' جاہ و جلال اور حسن و جمال سب کی دولت سے مالا مال کیا تھا، نقطہ عروج پر پہنچنے کے بعد بھی نہ بھولنے پایا۔

اب آخر میں قبل اس کے کہ دولہا کی زبان سے وہ مبارک الفاظ "میں نے قبول کیا" کے نکلیں، جس کے سننے کے لیے سب لوگ گوش بر آواز ہیں، قرآن شریف پیغام دیتا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچی اور پکی بات زبان سے نکالو، گویا دولہا کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی ذمہ داری اور دوررس نتائج کو محسوس کرے، وہ جب کہے کہ "میں نے قبول کیا" تو سمجھے کہ اس نے کتنابڑا اقرار کیا ہے اور اس سے اس پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ اگر کوئی ایسے ہی جانچ تول کر بات کہنے کا عادی بن جائے اور اس کے اندر مستقل طور پر احساس ذمہ داری پیدا ہو جائے تو اس کی پوری زندگی اور اس کے اقوال واعمال صداقت اور راستی کے سانچہ میں ڈھل جائیں گے، وہ ایک مثالی کردار بن جائے گا اور خدا کی مغفرت اور رضامندی کا مستحق ہوگا، اور پھر اس پیغام کو اس پر ختم کیا کہ حقیقی کامیابی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے، نہ نفس کی پیروی میں، نہ رسم ورواج کی پابندی میں۔

خطبہ نکاح اور ایجاب و قبول کے بعد چھوہارے جو اسی موقع کے لیے مہیا کیے جاتے ہیں تقسیم کیے جاتے ہیں، اور یہ محفل نکاح کی قدیم سنت ہے۔

ازدواجی زندگی ایک عبادت

اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی یک ضرورت کی حیثیت ہی سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا، جس سے آدمی خدا کے قریب ہوتا ہے، یعنی ہمارے یہاں ازدواجی تعلق کا، عقد نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی ضرورت کے تحت یہ کرنا ہی تھا' اور اس کے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کو دینی رنگ دیا گیا، اس کو عبادت قرار دیا گیا، اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا، اور آپؐ نے فرمایا کہ "تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لیے

سب سے زیادہ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے زیادہ بہتر ہوں"۔ چنانچہ آپ اگر سیرت نبویؐ کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ نبی رحمتؐ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اس کے جذبات اور لطیف احساسات کا شعور اور ان کا لحاظ تھا وہ طبقہ نسواں کے بڑے سے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے سے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا۔ اسی طرح سے وہ بڑے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں، منیوں، یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے۔ ازواج مطہرات کی دل جوئی، جائز تفریحات میں ان کی شرکت، ان کے جذبات کا خیال اور ان کے درمیان جو عدل فرماتے تھے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

ازواج کے ساتھ نہیں بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپؐ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپؐ محض اس لیے اختصار فرما دیتے تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو۔ اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپؐ نماز میں اختصار فرماتے تھے' یہ انتہائی قربانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے تو نماز سے بڑھ کر کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہو سکتی تھی۔ آپؐ فرماتے تھے، بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو، اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے' اس لیے نماز مختصر کر دیتا ہوں۔

پیش آنے والے قدرتی مراحل اور مسلمانوں کا مخصوص طرز

اب اس کار خیر اور پر مسرت تقریب سے فارغ ہو کر ہم، مسلمان کی زندگی میں پیش آنے والے قدرتی مراحل اور مختلف حالات کا ذکر کریں گے جو ہر انسان کو پیش آتے ہیں۔

بیماری آزاری انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ایک مسلمان کے لیے اس حالت میں بھی نماز معاف نہیں ہوتی، البتہ اسلامی شریعت نے اس بارے میں بیمار کو بہت سی

سہولتیں دی ہیں مثلاً اگر وہ مسجد جا کر جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا تو گھر میں اس فریضہ کو ادا کرنے کی اجازت ہے، اگر کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھ کر بھی اس کے لیے پڑھنا دشوار ہے تو لیٹ کر اور اگر لیٹ کر کے بھی اس کے ارکان ادا نہیں کر سکتا تو اشارہ سے پڑھ سکتا ہے۔ اگر پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہے تو وضو کے جائے تیمّم کی اجازت ہے[1] امکانی حد تک طہارت کا اہتمام بھی ضروری ہے۔

بیمار کی عیادت کرنا اسلام میں بڑے ثواب کا کام ہے 'لیکن یہ ہدایت ہے کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے اور مزاج پرسی کر کے جلد چلا آئے کہ زیادہ دیر بیٹھنے اور لمبی گفتگو کرنے سے بیمار کو یا اس کے تیمارداروں کو زحمت پیش آتی ہے' وہ حالات مستثنیٰ ہیں جن میں بیمار خود دیر تک بیٹھنا پسند کرتا ہو اور اس کا دل بہلانے کی ضرورت ہو۔

موت کا ناگزیر مرحلہ اور اسلام کے مخصوص طریقے

انسان کی زندگی میں بالآخر وہ مرحلہ بھی پیش آتا ہے جس سے انسان کو گزرنا ہے اور جس میں کسی مذہب و ملت اور قوم و نسل کی تفریق نہیں یعنی موت کا ناگزیر مرحلہ۔ ایسے موقع پر مسلمانوں کے گھروں میں کیا ہونا چاہیے اور اس کے کیا مخصوص طریقے اور معمولات ہیں ان کا ایک مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

خاتمہ کی فکر اور اس کی تیاری

مسلمان کو (خواہ وہ عملی و روحانی حیثیت سے کچھ زیادہ بلند و ممتاز نہ ہو) خاتمہ کی بڑی فکر رہتی ہے، یعنی یہ کہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہو اور اس کا خاتمہ کلمہ شہادت،

۱۔ وضو اور تیمّم کی تشریح عبادات کے باب میں آچکی ہے۔

توحید اور رسالت کے عقیدہ پر ہو۔ مسلمان معاشرہ میں خاص طور پر جہاں کچھ بھی دینی تعلیم کا اثر اور فکر آخرت پائی جاتی ہے، یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان سے دعا کی درخواست کرتا ہے یا اس کو کسی نیک بندے کی زیارت کی سعادت حاصل ہوتی ہے تو اس سے اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ دعا کیجیے کہ خاتمہ بخیر ہو۔ بالکل عام مسلمان بھی اسے سب سے بڑی خوش قسمتی اور کامیابی سمجھتا ہے اور رشک کرتا ہے کہ کوئی مسلمان کلمہ پڑھتا ہوا اور خدا کا نام لیتا ہوا دنیا سے رخصت ہو۔

جب مسلمان کا دم واپسیں ہوتا ہے اور نزع کی کیفیت شروع ہو جاتی ہے، تو اس وقت اس کے عزیز و اقارب، دوست احباب، اور جو لوگ پاس ہوتے ہیں، اس کو کلمہ کی تلقین کرتے ہیں یعنی وہ ایسے وقت میں کلمہ (لا اله الا الله محمد رسول الله) پڑھے یا صرف اللہ کا نام لیتا رہے، اگر اس کی زبان ساتھ نہیں دیتی، ضعف غالب ہوتا ہے یا قوت گویائی جواب دے جاتی ہے تو اس سے پڑھوانے کے بجائے جو لوگ وہاں موجود رہتے ہیں وہ خود کلمہ پڑھنے لگتے ہیں یا اللہ کے نام کا ورد شروع کر دیتے ہیں۔ اگر یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ اس کی زبان خشک ہے تو گھر میں اگر زمزم موجود ہے یا شربت انار، کیوڑہ وغیرہ (مریض کی حالت اور موسم کے مطابق) اس کے حلق میں ٹپکایا جاتا ہے۔ پاس والے سورۃ یٰسین جس کی اس موقع پر پڑھنے کی فضیلت آئی ہے' پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور جب بالکل نزع کا وقت ہوتا ہے یا روح پرواز کر چکی ہوتی ہے تو اس کو قبلہ رخ کر دیتے ہیں۔

تجہیز و تکفین میں سنت کا خیال

انتقال کے بعد اس کو غسل دینے کی تیاری اور کفن کا انتظام شروع ہو جاتا ہے۔ کفن میں نئے پاک اور سفید کپڑے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مرد کے کفن میں ایک بے سلا کرتہ، ایک تہبند اور ایک اوپر کی چادر ہوتی ہے، اور عورتوں کے کفن میں سر بند یا کساوا اور سینہ بند کا

اضافہ کیا جاتا ہے۔ غسل کا بھی خاص طریقہ ہے جس کی تفصیل مسئلہ مسائل کی کتابوں میں (فقہ میں) بیان کی گئی ہے، غسل ہر مسلمان دے سکتا ہے۔ نیک لوگوں اور جو مسئلہ مسائل اور سنتوں سے واقف ہیں، ان کا غسل دینا زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے۔ ایسے موقع پر دوست احباب، اعزہ واقارب اپنے عزیز یا دوست کی آخری خدمت انجام دینا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

نماز جنازہ

جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے تو نماز جنازہ شروع ہوتی ہے، جس میں شرکت کرنا بڑا کار ثواب ہے۔ یہ نماز بھی جماعت کے ساتھ ہے، لیکن اس میں رکوع اور سجدہ نہیں، سب لوگ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں' ایک یا تین یا پانچ یا سات، کسی طاق عدد میں صفیں بن جاتی ہیں اور کوئی عالم یا نیک آدمی یا محلّہ کی مسجد کا امام تھوڑا سا آگے بڑھ کر جنازہ کو سامنے رکھ کر اس کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہو جاتا ہے اور نماز شروع ہو جاتی ہے۔ اس نماز میں چار تکبیریں ہیں، سب کچھ خاموشی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، پہلی تکبیر کے بعد وہ دعا پڑھی جاتی ہے جو ہر نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ تیسری تکبیر کے بعد سب مسلمان (بغیر آواز کے) ایک دعا پڑھتے ہیں جس کے الفاظ مع ترجمہ یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اغفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِیْرِنَا وَ کَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَ اُنْثٰنَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ

اے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ، حاضر و غائب' چھوٹے بڑے اور مرد و عورت کی بخشش فرما، اے اللہ ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو تو دنیا سے اٹھائے اس کو ایمان پر اٹھا۔

جنازہ اگر کسی نابالغ بچہ یا بچی کا ہے تو ایک دوسری دعا پڑھی جاتی ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"اے اللہ! اس بچہ کو ہمارا پیش رو، ہمارے لیے اجر اور ذخیرہ اور ہمارے لیے (قیامت میں) سفارش کرنے والا بنا اور اس کی سفارش قبول فرما۔

جنازہ کو کاندھا دینا اور قبر تک ساتھ چلنا

چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھر جاتا ہے اور لوگ جنازہ کو کاندھا دیتے ہوئے قبرستان لے جاتے ہیں، شریعت میں کاندھا دینے اور میت کو اس کے آخری مقام (قبر) تک پہنچانے اور اس کی تدفین تک وہاں رہنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے عام طور پر لوگ کاندھا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور قبرستان کا فاصلہ کتنا ہی زیادہ ہو اور موسم کتنا ہی سخت ہو' جنازہ ہاتھوں ہاتھ مسلمانوں کے کاندھوں پر جلد قبرستان پہنچ جاتا ہے۔ اب موجودہ شہری زندگی اور تمدن میں بعض بڑے بڑے شہروں میں جہاں عموماً قبرستان بہت دور ہوتے ہیں، موٹر پر جنازہ لے جانے کا بھی رواج ہو چلا ہے۔ مجبوری یا قبرستان غیر معمولی دور نہ ہو تو بہتر ہے کہ اوپر بیان کیے گئے مسنون طریقہ ہی پر عمل کیا جائے۔

قبر میں رکھنے کا طریقہ اور مٹی دینے کا معمول

جنازہ پہنچنے پر چند آدمی قبر کے اندر اترتے ہیں اور میت کو قبلہ رو قبر میں رکھ دیتے ہیں پھر اس پر سیمنٹ کی بنی ہوئی یا پتھر کی سلیں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دیتے ہیں۔ اسے میت کو مٹی دینا کہتے ہیں، مٹی دیتے وقت قرآن کے یہ الفاظ زبان پر ہوتے ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى (طٰہٰ ٢٠:٥٥)

ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو واپس کریں گے اور پھر اسی سے تم کو دوبارہ باہر نکالیں گے۔

جب قبر تیار ہو جاتی ہے اور مٹی کا ایک کوہان سا بن جاتا ہے، اس وقت خاص تعلق والے کچھ دیر ٹھہر کر میت کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور کچھ قرآن پڑھتے ہیں۔ یہ فعل سنت ہے۔

غمی والے گھر کے افراد کے لیے عزیزوں کی طرف سے کھانا اور شریک غم ہونے کا طریقہ

جب کسی گھر میں غمی ہوتی ہے اور کسی عزیز کا انتقال ہوتا ہے تو عام طور پر اس دن عزیزوں اور دوستوں کے گھروں سے غمی والے گھر کے افراد اور عزیزوں کے لیے جو اس وقت وہاں جمع ہوتے ہیں، کھانا آتا ہے۔ یہ رواج اس خیال پر مبنی ہے کہ میت والے گھر کے لوگوں کو خود کھانا پکانے اور اس کا اہتمام کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس لیے ان کو فکر سے آزاد اور کام سے فارغ رکھنا مناسب ہے۔ در حقیقت یہ ایک سنت ہے جو ابھی تک اسلامی معاشرہ میں چلی آرہی ہے۔ میت کی حیثیت اور اس کے تعلقات کے مطابق تین وقت یا تین دن عزیزوں اور دوستوں کے یہاں سے پکا پکایا کھانا آتا ہے، اور وہاں موجود سب لوگ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

اسلامی تہذیب و ثقافت

اسلامی تہذیب و ثقافت

انبیاء نے صرف عقیدہ و شریعت اور ایک نئے دین"اسلام" ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ وہ تہذیب و تمدن اور نئے طرز حیات کے بھی بانی ہوتے ہیں۔ جو "ربانی تہذیب" کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ اس تہذیب کے کچھ مخصوص اصول و ارکان اور شعائر و علامات ہیں جن کے ذریعے وہ تہذیبوں اور جاہلی تمدنوں سے نمایاں طور سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ یہ امتیاز روح اور نبیاد میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور تفصیلات و مظاہر میں بھی۔

مسلمانوں کی تہذیب کا پہلا عنصر دینی عقائد' اسلامی اصولِ زندگی اور اخلاقیات ہے ۔ یہ عنصر دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کی تہذیبوں کا مشترک حصہ ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی ملک' کسی گوشے میں بستے ہوں اور ان کی زبان ان کا لباس خواہ کچھ ہو' یہ قدر مشترک ان میں ضرور پائی جاتی ہے اور اس کی بناء پر وہ ایک خاندان کے افراد اور ہر جگہ ایک ہی تہذیب کے حامل نظر آتے ہیں۔ اسی مشترک عنصر کے لحاظ سے دنیا کے سارے مسلمان ایک مخصوص تہذیب رکھتے ہیں جس کے لیے "ابراہیمی تہذیب" سے زیادہ موزوں اور جامع لفظ نہیں۔

ابراہیمی محمدی تہذیب

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس خدا پرست تہذیب کے بانی و امام تھے'

جس کی بنیادیں خدا کی توحید' اس پر ایمان' اور اس کے ذکر' صحیح فطرت اور پاک باز دل' اللہ تعالیٰ کے لحاظ و تقویٰ' انسانوں پر رحم اور ذوق سلیم پر رکھی گئی ہیں۔

ابراہیمی اخلاق و طرز حیات اس تہذیب کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہیں جس کے بارے میں کہا گیا ہے :۔

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ (سورہ ہود ۱۱:۷۵)

ابراہیم بڑا شریف و حلیم' نرم دل اور خدا سے رجوع کرنے والا تھا۔

اِنَّ اِبۡرَاهِيۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيۡمٌ (سورہ توبہ ۹:۱۱۴)

ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل' اور بڑا شریف وبردبار تھا۔

اس تہذیب کے بانی و موسس حضرت ابراہیم تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جو ان کے نسلی وارث بھی تھے انہوں نے اس تہذیب کو ازسر نو ترتیب بھی دیا اور اس کی تکمیل بھی کی۔آپؐ نے اس تہذیب میں ازسر نو جان ڈال دی اور اس میں بقائے دوام کا رنگ پیدا کر دیا' اور اس کے اصول و ارکان اس طرح مضبوط کیے کہ اسے ایک دائمی اور عالمگیر تہذیب کی شکل دے گئے۔

ابراہیمی تہذیب کی تین خصوصیتیں

یہ تین بنیادی خصوصیتیں ہیں ' اللہ کی ہستی کا یقین اور اس کے ہر وقت موجود ہونے کا خیال' عقیدۂ توحید(جیساکہ انبیاء نے تعلیم دی۔ اس کی مکمل تشریح قرآن میں پائی جاتی ہے ۔ بعد کے تمام انبیاء حضرات ابراہیم کی نسل ہی سے تھے) شرافت اور مساوات انسانی کا اضطراری و دائمی تصور جو کسی مسلمان کے ذہن سے جدا نہیں ہوتا۔ یہ وہ امتیازی خصوصیتیں ہیں جنھوں نے ابراہیمی تہذیب کو دنیا کی دوسری

تہذیبوں کے مقابلہ میں ایک نئی صورت بخشی ہے۔ یہ خصوصیتیں اتنے روشن اور نمایاں طریقہ پر کسی اور تہذیب میں نہیں پائی جاتیں۔

مسلمانوں کی زندگی میں اللہ کی یاد

اللہ کی ہستی کا یقین اور استحضار (اس کو دائمی طور پر پیش نظر رکھنا اور اس کا اظہار) ایک ایسا عمومی امتیاز ہے جو مسلمانوں کی پوری تہذیب اور پوری زندگی کا ایسا ساتھی ہے جسے اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کو اگر مختلف قطع اور تراش کے لباس فرض کیا جائے جن میں مختلف ذوق، مقامی حالات، موسمی تغیرات اور خارجی اثرات اثرانداز ہیں، مگر ان سب لباسوں کو گویا ایک رنگ میں غوطہ دے دیا گیا ہے اور اب ان کا کوئی تاروپود ایسا نہیں جو اس رنگ سے رنگین نہ ہو گیا ہو۔ اللہ کا نام اور اس کا ذکر مسلمانوں کی تہذیب اور معاشرت کے رگ و پے میں خون کی طرح جاری و ساری ہے۔ مسلمان بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور اس طرح سب سے پہلے اور خود اس کے نام سے پہلے اس کو جس نام سے آشنا اور مانوس کیا جاتا ہے وہ اللہ کا نام ہے۔ وہ سات دن کا ہوتا ہے تو مسنون طریقہ پر اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے۔ اس کا کوئی اسلامی نام تجویز کیا جاتا ہے۔ ان ناموں کو ترجیح دی گئی ہے جن میں اپنی بندگی اور خدا کی وحدانیت کا اعلان ہو۔ یا دنیا کے سب سے بڑے موحد گروہ (انبیاء اور ان کے متبعین) کے نام پر رکھا گیا ہو، تعلیم کی منزل آتی ہے اور مکتب کی رسم ادا کی جاتی ہے تو اللہ کے نام اور قرآن کی آیات سے اس کا افتتاح ہوتا ہے۔ نکاح کی منزل آتی ہے تو دو ذمہ دار انسانی ہستیوں کو دائمی طور پر ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کے لیے پھر خدا کا نام بیچ میں لایا جاتا ہے اور اس کے نام کی لاج رکھنے کا عہد کرایا جاتا ہے۔ واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام (النساء ۴:۱) "ڈرو اللہ سے جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے

ہو اور لحاظ رکھو رشتوں کا"۔ مسنون طریقہ پر نکاح کا جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اس میں خدا کے اس احسان کا تذکرہ ہوتا ہے کہ اس نے نسل آدم میں مرد و عورت کے جوڑے پیدا کیے 'اللہ کی فرمانبرداری کے ساتھ جینے اور مرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ عید کا مبارک اور پر مسرت موقع آتا ہے تو نہا دھو کر صاف کپڑے پہن کر اللہ کے نام کی بڑائی کا ترانہ بلند کرنے (تکبیرات تشریق ادا کرنے) اور دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ عید الاضحیٰ میں اللہ کے نام پر قربانی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

جب زندگی کی آخری اور ناگزیر منزل آتی ہے تو اسی کے پاک نام کی تلقین کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ آخری لفظ اور آخری بول جو اس کی زبان پر آئے وہ یہی پاک نام ہو اور یہی نام لیتے ہوئے وہ اس دنیا سے رخصت ہو۔ اس کے انتقال کی خبر سنتے ہی پڑھے لکھے ہر مسلمان کی زبان سے بے ساختہ جو لفظ نکلتے ہیں وہ قرآن کے وہ مشہور الفاظ ہیں جو اردو کے روز مرہ میں بھی شامل ہو گئے ہیں یعنی اناللہ وانا الیہ راجعون (البقرہ ۲: ۱۵۶) (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کے پاس جانا ہے) جب آخری خدمت اور وداع (نماز جنازہ) کا وقت آتا ہے تو اس میں اول سے آخر تک اللہ ہی کا نام ہوتا ہے۔ اس کی مغفرت کی دعا اور اپنے لیے اللہ کی فرمانبرداری پر جینے اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے کی دعا کی جاتی ہے۔ اس کو قبر میں اتار ا اور اپنی آخری خواب گہ پہنچایا جاتا ہے تو یہ کہہ کر کہ اللہ کے نام کے ساتھ اور اس کے پیغمبر کی ملت و مذہب پر قبر میں رکھنے میں اس کا رخ عبادت اور توحید کے اس بین الاقوامی مرکز کی طرف کیا جاتا ہے جس کو بیت اللہ (کعبہ) کہتے ہیں۔ مسلمان خواہ کہیں دفن ہو اس کا رخ اسی طرف ہوگا۔ اس کے دفن ہو جانے کے بعد جو کوئی مسلمان اس کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے اور فاتحہ پڑھتا ہے۔ غرض اس طرح اللہ کا نام اور اس کا دھیان زندگی کے پورے سفر میں ہر دم اور ہر قدم پر ساتھ رہتا ہے۔

یہ تو زندگی کی امتیازی منزلیں ہیں، روز مرہ کی زندگی میں بھی اللہ کے ذکر کا ہر

وقت ساتھ ہے، مسلمان اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرتا ہے۔ اللہ کے نام اور شکر پر کھانا ختم کرتا ہے۔ جن لوگوں کو سنتوں کا اہتمام ہے ان کا کھانا پینا، کپڑے بدلنا، بیت الخلا جانا آنا سب اللہ کے نام اور اس کے دھیان کے ساتھ ہوتا ہے، چھینک آئے تو اس پر بھی اللہ کا نام لینے کی ہدایت، اور جو سنے اس کو بھی دعا دینے کی تعلیم ہے۔ اس کے علاوہ بھی اوقات اللہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ ماشاء اللہ، ان شاء اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ نہ صرف اذکار ماثورہ بلکہ زبان کا جز اور ان ملکوں کے روزمرہ کے محاورات بن چکے ہیں جہاں مسلمان عرصہ دراز سے رہ بس رہے ہیں اور ان کی تہذیب اثر انداز ہوئی ہے اور یہ سب اللہ کے ذکر اور اس کی طرف متوجہ کرنے کے بہانے ہیں۔ کسی تہذیب کی معاشرت، اس کی زبان اور اس کا ادب اور اس کی روزمرہ کی زندگی اس طرح اللہ کی ہستی کے یقین اور اس کے استحضار کے رنگ میں ڈوبی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ مسلمانوں کی تہذیب کا پہلا بین الاقوامی اور مشترک پہلو یہی یقین و استحضار ہے جو ان کی زندگی کا شعار اور علامت بن گیا ہے۔

دوسرا بین الاقوامی شعار عقیدۂ توحید

مسلمانوں کی تہذیب کا دوسرا بین الاقوامی شعار اور علامت، عقیدہ توحید ہے جو عقائد سے لے کر اعمال تک اور عبادات سے لے کر تقریبات تک ہر جگہ نمایاں نظر آئے گا۔ ان کی مسجدوں کے مینار سے پانچ مرتبہ اس عقیدہ کا اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کا مستحق نہیں۔ ان کے مکانات اور نگار خانوں کو بھی اسلامی اصول کے مطابق بت پرستی اور شرک کے شعار سے محفوظ ہونا چاہیے۔ تصاویر، مجسمے، مورتیاں ان کے لیے ناجائز ہیں۔ یہاں تک کہ بچوں کے کھلونوں میں بھی اس کا لحاظ ضروری ہے۔ دینی تقریبات ہوں یا ملکی جشنِ مسرت، سیاسی رہنماؤں کا یوم ولادت ہو یا مذہبی پیشواؤں کا جنم دن یا پرچم کشائی کی تقریب' تصاویر اور مجسموں کے سامنے جھکنا، ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر

کھڑا ہونا، یا ان کو ہار پھول پہنانا مسلمان کے لیے ممنوع اور اس کی موحدانہ تہذیب کے خلاف ہے اور جہاں کہیں مسلمان اپنی اسلامی تہذیب پر قائم اور اس پر کاربند ہوں گے وہ اس فعل سے بچیں گے اور علیحدہ رہیں گے۔ ناموں میں، تقریبات میں، قسم میں بزرگوں کی تعظیم و احترام اور اظہار نیاز مندی میں مجازی توحید کے حدود سے تجاوز اور کسی قوم کی تقلید اسلام سے انحراف کے مترادف ہے۔

تیسرا شعار شرافت و مساواتِ انسانی کا عقیدہ

اسلامی تہذیب کا تیسرا بین الاقوامی شعار انسان کی شرافت و برتری کا وہ تصور اور انسانی مساوات کا وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہے اور جو اس کا اسلامی مزاج بن گیا ہے اس عقیدہ کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان چھوت چھات کی عادت اور روایت سے ناآشنا اور بے گانہ ہے۔ وہ بے تکلف دوسرے مسلمان بلکہ دوسرے انسان کے ساتھ کھانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ اور دوسرے کو اپنا شریک طعام بننے کے لیے اصرار کرے گا، مختلف و متعدد آدمی بلا تکلف ایک برتن میں کھائیں گے۔ ''محمود و ایاز'' ایک صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے، کوئی کم حیثیت لیکن صاحب علم امام بن سکتا ہے اور بڑے بڑے عالی نسب شرفا اور عالی مرتبت حکام اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے۔

جزئی و فروعی امتیازات

ان اصولی و بنیادی امتیازات کے ساتھ اس ابراہیمی تہذیب کے کچھ جزئی اور فروعی امتیازات بھی ہیں جو دنیا کے تمام مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اچھے کاموں کا دائیں ہاتھ سے انجام دینا، دائیں ہاتھ سے کھانا، دائیں ہاتھ سے پانی پینا، دوسروں کو تحفے تحائف دینا۔

اسلامی معاشرہ میں پیشے نہ مستقل ہیں نہ حقیر

اسلام میں پیشے اور خدمتیں مستقل اور دائمی حیثیت نہیں رکھتیں کہ ان میں تبدیلی نہ ہو سکے۔ نہ ان کی بنیاد پر قوموں اور طبقوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ لوگوں نے مختلف زمانوں میں ضرورت اور سہولت کی بنا پر کوئی پیشہ اختیار کر لیا، بعض اوقات وہ اسی تک محدود رہا اور بعض اوقات کئی نسلوں تک چلا، اب بھی بعض بعض برادریوں میں ایک ہی طرح کا کام ہوتا ہے۔ لیکن نہ تو اس کی کوئی مذہبی حیثیت ہے اور نہ وہ مسلم معاشرہ یا سماج کا اٹل قانون ہے۔

ان برادریوں میں جو شخص جب چاہتا ہے پیشہ یا مشغلہ تبدیل کر لیتا ہے اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور نہ اسلام میں کوئی پیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مرکز اسلام (مکہ، مدینہ) اور عرب ممالک میں بعض بڑے جلیل القدر عالموں اور معزز مسلمانوں کے نام کے ساتھ اس پیشہ کا لفظ لگا ہوا ہے جو اس کے کسی مورث اعلیٰ نے کسی زمانہ میں اختیار کیا تھا اور اس میں نہ ان کو کوئی عار محسوس ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی نگاہ میں وہ حقیر ہوتے ہیں مثلاً ابھی چند سال پہلے جو صاحب حرم شریف (مکہ کی سب سے بڑی مسجد جس میں خانہ کعبہ واقع ہے) کے خطیب اور امام تھے ان کے نام کا ضروری جز خیاط (درزی) ہے۔ اسی طرح کئی علماء کے ساتھ حلاق (نائی) زیات (تیلی) صواف (روئی والا) قصاب (گوشت فروش) لگا ہوا ہے۔ اور اس میں ذلت کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔

بیوہ کا عقد ثانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا امتیازی معاملہ

بیوہ کا عقد ثانی شرعی نقطہ نظر سے اور مسلمانوں کے عرف اور رواج میں کبھی معیوب اور قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ ان کے نبی کی سنت تھی، اور ہر دور میں جلیل القدر علماء خدار سیدہ بزرگ اور مشائخ اور باعظمت سلاطین بلا تامل بیوہ عورتوں سے خود شادی کرتے تھے اور اپنی بیوہ بہنوں اور بیٹیوں کا عقد ثانی کراتے تھے۔ اب بھی اگرچہ

بہت سی مسلمان بیوائیں اپنی مرضی یا کسی مجبوری سے عقد ثانی کے بغیر رہتی ہیں لیکن عقد ثانی کا رواج ہونا چاہیے۔ دیگر ممالک میں یہ رواج اب بھی پایا جاتا ہے اور بیوہ سے نکاح بالکل معیوب نہیں۔

سلام کرنے کا رواج اور اس کے مختلف طریقے

ملنے جلنے، آنے جانے میں سلام کا رواج ہے۔ یہ مسلمانوں کا بین الاقوامی طریقہ ہے۔ سلام کرنے والا ''السلام علیکم'' کہتا ہے جس کا ترجمہ ہے ''تم پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو'' اس کا جواب ہے ''وعلیکم السلام'' یعنی تم پر بھی سلامتی ہو۔

اسلام میں علم کا مقام

پہلی وحی ۱۲ فروری ۶۱۱ء کے لگ بھگ نبی عربی محمدؐ پر مکہ کے قریب غارِ حرا میں نازل ہوئی، اس کے الفاظ یہ تھے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ O الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ O

(سورہ علق ۹۶: ۱ تا ۵)

(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو، جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

خالق کائنات نے اپنی وحی کی اس پہلی قسط اور بارانِ رحمت کے اس پہلے چھینٹے میں بھی اس حقیقت کے اعلان کو مؤخر و ملتوی نہیں فرمایا کہ علم کی قسمت قلم سے وابستہ ہے۔ غارِ حرا کی اس تنہائی میں جہاں ایک نبی اُمّی اللہ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لیے پیغام لینے

گیا تھا اور جس کا یہ حال تھا کہ اس نے قلم کو حرکت دینا خود بھی نہیں سیکھا تھا۔ جو قلم کے فن سے یکسر واقف نہ تھا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں مل سکتی ہے؟ اور اس بلندی کا تصور بھی ہو سکتا ہے کہ اس نبی اُمّی پر ایک امت اُمّی اور ایک ناخواندہ ملک کے درمیان (جہاں جامعات اور دانش گاہیں تو بڑی چیز ہیں حرف شناسی بھی عام نہیں تھی) پہلی بار وحی نازل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کا رابطہ صدیوں کے بعد قائم ہوتا ہے تو اس کی ابتداء ہوتی ہے "اقراء" سے۔ جو خود پڑھا ہوا نہیں تھا اس پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس میں اس کو خطاب کیا جاتا ہے کہ "پڑھو" یہ اشارہ تھا اس طرف کہ آپ کو جو امت دی جانے والی ہے وہ امت صرف طالب علم ہی نہ ہوگی بلکہ معلم، عالم اور علم آموز ہوگی۔ وہ اس دنیا میں علم کی اشاعت کرنے والی ہوگی۔ جو دور آپ کے حصہ میں آیا ہے وہ "اُمیت" کا دور نہیں ہوگا۔ وہ دور وحشت کا دور نہیں ہوگا' وہ دور جہالت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم دشمنی کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم کا دور ہوگا، عقل کا دور ہوگا، حکمت کا دور ہوگا، تعمیر کا دور ہوگا، انسان دوستی کا دور ہوگا، وہ دور ترقی کا دور ہوگا۔

باسم ربك الذی خلق (اس پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا)

بڑی غلطی یہ تھی کہ علم کا رشتہ رب سے ٹوٹ گیا تھا، اس لیے علم سیدھے راستے سے ہٹ گیا تھا۔ اس ٹوٹے ہوئے رشتہ کو یہاں جوڑا گیا، جب علم کو یاد کیا گیا اس کو یہ عزت بخشی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی آگاہی دی گئی کہ اس علم کی ابتداء "اسم ربك" سے ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ علم اسی کا دیا ہوا ہے، اسی کا پیدا کیا ہوا اور اسی کی رہنمائی میں یہ متوازن ترقی کر سکتا ہے، یہ دنیا کی سب سے بڑی انقلاب آفرین، انقلاب انگیز اور صاعقہ آسا آواز تھی جو ہماری دنیا کے کانوں نے سنی تھی۔ جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ اگر دنیا کے ادیبوں اور دانشوروں کو دعوت دی جاتی کہ آپ لوگ قیاس کیجئے کہ جو وحی نازل ہونے والی ہے اس کی ابتداء کس چیز سے ہوگی؟ اس میں کس چیز کو اولیت دی جائے گی؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ایک آدمی بھی جو اس امی قوم اور اس کے مزاج اور دماغ سے واقف تھا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ "اقرا" کے لفظ سے شروع ہوگی۔

یہ ایک انقلاب انگیز دعوت تھی کہ علم کا سفر خدائے حکیم و علیم کی رہنمائی میں شروع کیا جانا چاہیے' اس لیے کہ یہ سفر بہت طویل، بہت پرُ پیچ اور بہت پرُ خطر ہے۔ یہاں دن دہاڑے قافلے لٹتے ہیں۔ قدم قدم پر مہیب و عمیق گھاٹیاں ہیں، گہرے دریا ہیں، قدم قدم پر سانپ اور بچھو ہیں اس لیے اس میں ایک رہبرِ کامل کی رفاقت ہونی چاہیے۔ اور وہ رہبرِ کامل حقیقتاً خدا کی ذات ہے۔ مجرد علم وادب نہیں۔ وہ علم مقصود نہیں جو بیل بوٹے بنانے کا نام ہے۔ جو محض کھلونوں سے کھیلنے کا نام ہے۔ وہ علم نہیں جو محض دل بہلانے کا نام ہے۔ وہ علم نہیں جو ایک دوسرے سے لڑانے کا نام ہے۔ وہ علم نہیں جو قوموں کو قوموں سے ٹکرانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو اپنے معدہ کی خندق کو بھرنے کا ذریعہ سکھانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو زبان کو صرف استعمال کرنا سکھاتا ہے۔ بلکہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ (سورہ علق ۹۶: ۱ تا ۵)

"پڑھو، تمہارا رب بڑا کریم ہے، وہ تمہاری ضرورتوں سے تمہاری کمزوریوں سے کیسے ناآشنا ہو سکتا ہے" اقراء و ربك الاكرم الذی علم بالقلم آپ خیال کیجئے کہ قلم کا رتبہ اس سے زیادہ کس نے بڑھایا ہو گا کہ اس غار حرا کی پہلی وحی نے بھی قلم کو فراموش نہیں کیا، وہ قلم جو شاید ڈھونڈنے سے بھی مکہ میں نہ ملتا، اگر آپ اسے تلاش کرنے کے لیے نکلتے تو معلوم نہیں کسی ورقہ بن نوفل [۱] کے یا کسی کاتب [۲] کے، جو دیارِ عجم سے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ کر آیا ہو' گھر میں ملتا۔

اور پھر ایک بہت بڑی انقلاب انگیز اور لافانی حقیقت بیان کی کہ علم کی کوئی انتہا نہیں۔ "علم الانسان مالم یعلم" انسان کو سکھایا جس کا اس کو پہلے سے علم نہ تھا۔ سائنس کیا ہے؟ ٹیکنالوجی کیا ہے؟ انسان چاند پر جا رہا ہے' خلا کو ہم نے طے کر لیا ہے، دنیا کی طنابیں کھینچ لی ہیں، یہ سب "علم الانسان مالم یعلم" کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے؟

۱۔ نبیؐ کے دور کے ایک عرب فاضل جو توراۃ انجیل کے بڑے عالم تھے اور عبرانی زبان سے خوب واقف تھے۔

۲۔ عرب میں پڑھے لکھے آدمی کو "کاتب" کہتے تھے۔

فنون لطیفہ کے بارے میں مسلمان کا رویہ

اسلامی تہذیب کی ایک خصوصیت اس کی سنجیدگی، حقیقت پسندی اور ”فنون لطیفہ“ کے بارے میں محتاط رویہ اور معتدل نقطہ نظر ہے۔ وہ نفاست و نظافت اور حسن و زیبائی کی قدرداں ہے۔ لیکن جن تفریحی فنون کو یورپ نے فنون لطیفہ یا Fine Arts کا لقب دیا ہے، ان کی بعض شاخوں کو وہ ناجائز قرار دیتی ہے مثلاً رقاصی جاندار چیزوں کی تصاویر اور مجسمے بنانا اور بت تراشی اور بعض میں اعتدال و احتیاط کی تعلیم دیتی ہے مثلاً ترنم و نغمہ کہ خاص قیود کے ساتھ اعتدال سے اس سے حظ اٹھانا یا کام لینا جائز ہے۔ اس فنون لطیفہ میں انہماک بہر حال مسلمان کی روح اور اس کے مقاصد کے خلاف اور خوف خدا، فکر آخرت اور اس کے اخلاقی معیار کے لیے مضر ہے۔

مذہب زندگی کا نگراں ہے

زمانہ، ثبات اور تغیر کے متوازن، مرکب اور مجموعے کا نام ہے۔ زمانے کے اندر ٹھہراؤ بھی ہے اور بہاؤ بھی۔ اگر زمانہ ان دونوں خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں سے کسی ایک سے محروم ہو جائے تو وہ اپنی افادیت کھو دے گا۔

اسی طرح کائنات میں جتنے بھی وجود، شخصیتیں اور ہستیاں ہیں سب کے اندر مثبت اور منفی لہریں برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں ان دونوں لہروں کے ملنے سے وہ فریضہ ادا ہوتا ہے اور وہ منصب پورا ہوتا ہے جو ان کے سپرد کیا گیا ہے۔

مذہب ہر تغیر کا ساتھ دے یہ کسی تھرمامیٹر کی تعریف تو ہو سکتی ہے کہ وہ حرارت اور ٹھنڈ کا درجہ بتلائے' یہ مرغ باد نما (Weather Cock) کی بھی تعریف ہو سکتی ہے جو کسی ہوائی اڈے یا اونچی عمارت پر لگایا گیا ہے صرف یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ہوا کسی طرف کی چل رہی ہے لیکن مذہب کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی معقول شخص ایسا نہیں ہوگا کہ مذہب کو اس کے بلند مقام سے اتار کر تھرمامیٹر یا مرغ باد نما کا مقام دینا چاہتا ہو کہ مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ صرف زمانے کی تبدیلیوں کی رسید دیتا رہے یا اس کی عکاسی کرتا رہے۔ صحیح آسمانی مذہب کے تو کیا کسی نام نہاد مذہب کے پیرو یا اس کے نمائندے بھی اس پوزیشن کو قبول کر لینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

مذہب تغیر کو ایک حقیقت مانتا ہے اور اس کے لیے وہ ساری گنجائشیں رکھتا ہے جو ایک صالح، فطری اور جائز تغیر کے لیے ضروری ہوں، مذہب زندگی کا ساتھ دیتا ہے لیکن یہ محض ساتھ دینا یا محض رفاقت اور پیروی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ تہذیب کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اس کا فرق کرے کہ یہ صالح تغیر ہے اور یہ غیر صالح تغیر ہے۔ یہ تخریبی رجحان ہے اور یہ تعمیری رجحان ہے۔ اس کا نتیجہ انسانیت کے حق میں یا کم سے کم اس مذہب کے پیروؤں کے حق میں کیا ہوگا؟ مذہب جہاں رواں دواں زندگی کا ساتھ دینے والا ہے، وہاں وہ زندگی کا محتسب، نگراں، سرپرست اور زندگی کا اتالیق بھی ہے۔

سرپرست کا کام یہ نہیں کہ جو ہستی اس کی اتالیقی میں ہے اس کے ہر صحیح غلط رجحان کا ساتھ دے اور اس پر مہر تصدیق ثبت کرے۔ مذہب ایسا نظام نہیں ہے کہ جہاں ایک ہی قسم کی مہر رکھی ہوئی ہے ایک ہی طرح کی روشنائی ہے اور ایک ہی طرح کا ہاتھ ہے کہ جو دستاویز اور تحریر آئے مذہب اس پر مہر تصدیق ثبت کردے۔

مذہب پہلے اس کا جائزہ لے گا، پھر اس پر اپنا فیصلہ صادر کرے گا۔ اور ترغیب کے اور بعض اوقات مجبوراً ترہیب کے ذریعہ اس سے اسے باز رکھنے کی کوشش کرے گا اور اگر کوئی ایسی غلط دستاویز اس کے سامنے آئی ہے جس سے اس کو اتفاق نہیں یا جس کو وہ انسانیت کے حق میں مہلک اور تباہ کن سمجھتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے انکار کرے گا بلکہ اس کی بھی کوشش کرے گا کہ وہ اس کی راہ میں مزاحم ہو۔

یہاں اخلاقیات اور مذہب میں ایک فرق پیدا ہو جاتا ہے، مذہب اپنی ذمہ داری اور فرض سمجھتا ہے کہ غلط رجحان کو روکے، ماہر اخلاقیات و نفسیات کی ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ وہ غلط رجحانات کی نشاندہی کرے یا اپنا نقطہ نظر ظاہر کردے۔ لیکن مذہب اس کی کوشش کرے گا کہ وہ غلط رجحانات اور اس کے اسباب کا تدارک کرے۔

تہذیب اخلاق وتزکیہ نفس

بعثت محمدی ﷺ کے مقاصد

اللہ تعالیٰ نے بعثت محمدی کے ابتدائی اور بنیادی مقاصد اور عظیم فوائد قرآن پاک کی متعدد آیات میں ذکر فرمائے ہیں۔ اس کا ارشاد ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲:۱۵۱)

جس طرح (دوسری نعمتوں کے ساتھ ساتھ) ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

دعوت نبوی اور بعثت محمدی ﷺ کے دائرہ مقاصد میں تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس بڑا اہم مقام رکھتے ہیں اور قرآن کا اسلوب بیان یہ بتاتا ہے کہ حکمت سے مراد بلند اخلاق اور اسلامی آداب ہی ہیں قرآن نے سورۃ اسراء میں ان اخلاق و آداب کے اصول اور بنیادی امور ذکر کرنے کے بعد مطلقاً ان کو "حکمت" سے یاد کیا ہے، ارشاد ہے:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (الاسراء ۱۷:۳۹)

(اے پیغمبر) یہ ان (ہدایتوں) میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری

طرف وحی کی ہیں۔

خود حضور اکرم ﷺ نے اس عظیم مقصد کا جس کے لیے آپؐ کی بعثت ہوئی بڑی تاکید کے الفاظ میں تذکرہ فرمایا:

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (موطا امام مالک)

میری بعثت ہی اس لیے ہوئی کہ میں مکارم اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔

اور آپؐ اخلاق کریمہ کا بہترین نمونہ اور کامل ترین اسوہ تھے۔

ارشاد قرآنی ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ۶۸:۴)

اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن (مسلم شریف)

آپ ﷺ کے اخلاق معلوم کرنا ہو تو قرآن دیکھو۔

یہ حکمت اور تزکیہ نفس رسول اللہ ﷺ کی صحبت بابرکت اور ہم نشینی کا نتیجہ تھی۔ آپؐ ہی کے آغوش تربیت ، اور دامن عاطفت میں ایک ایسی نسل پروان چڑھی جو اعلیٰ اخلاق اور بہترین صفات سے مزین اور برے اخلاق ، بری عادات و اطوار ، مذموم صفات ، نفس کے شرور و فتن ، جاہلیت کے اثرات اور شیطان کے مغالطوں سے محفوظ تھی۔

زبان نبوت نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

خیر الناس قرنی (بخاری و مسلم)

سب سے اچھے لوگ میرے دور کے لوگ ہیں۔

صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بڑی بلاغت کے ساتھ جماعت صحابہ کا تعارف کرایا ہے۔ مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز الفاظ میں ان کا اس طرح اعتراف کیا ہے:

ابر الناس قلوبا' واعمقهم علما' واقلهم تکلفا

دل کے پاک، علم کے گہرے، تکلفات سے بری

وہ اسلام کی فصل بہار، نبوت کی آدم گری و مردم سازی کا نمونہ، اور تربیت و تزکیہ نبوی کا اعجاز تھے۔

انسان سازی کی ایک دائمی کارگاہ

جب اس صحبت نبوی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اور رسول اکرم ﷺ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی' تو قرآن پاک، حدیث شریف اور سیرت طیبہ اس خلا کو پر کرتے رہے۔ فقہ باطن، حکمت، قلوب کے امراض، نفس کے شرور اور شیطان کے حربوں کے علاج کا ایک دائمی اور عالمگیر مطب اور دار الشفا تھا۔

لیکن مختلف سیاسی، اخلاقی اور معاشی عوامل کے اثر اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تربیتی اور اخلاقی پہلو اور اس کے بنیادی طرز فہم و تفہیم اور شرح و تدریس پر وہ انداز غالب آتا چلا گیا، جو اس وقت کے معاشرہ کے لیے زیادہ پر کشش، لوگوں کی نظر میں زیادہ وقعت پیدا کرنے والا، اور مناصب اور عہدوں پر فائز ہونے میں مدد دینے والا تھا۔ حدیث کی تدریس و تفہیم اثبات مذاہب اور ان کے لیے دلائل فراہم کرنے، اور سیرت، تاریخی اور علمی حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔

لیکن اس کے باوجود حدیث و سیرت (قرآن مجید کے بعد) تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس، دلوں کے زنگ کی صفائی اور انسانی نفوس کے آئینہ کو صیقل کرنے کا سب سے موثر اور آسان ذریعہ ہے۔

حدیث کی کتابوں میں جو مواد پایا جاتا ہے، وہ دو قسم کا ہے۔ ایک کا تعلق اعمال، ان کی شکلوں، ہیئتوں اور محسوس احکام جیسے قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و تسبیح، دعاؤں، اذکار و اوراد، دعوت و تبلیغ، جہاد و غزوات، صلح و جنگ میں دوست دشمن کے ساتھ معاملہ،

اور دوسرے احکام و مسائل سے ہے۔ دوسری قسم ان باطنی کیفیات سے متعلق ہے، جو ان اعمال کی ادائیگی کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔ اور ان احکام کی اصل غرض و غایت ہیں۔ ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص و احتساب، صبر و توکل، زہد و استغناء، ایثار و سخاوت، ادب و حیاء، خشوع و خضوع، انابت و تضرع ، دعا کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی اور دیدار کا شوق، اعتدال فطرت، سلامتی ذوق، مخلوق پر رحمت و شفقت، کمزوروں کے ساتھ ہمدردی، احساس کی لطافت ، جذبات کی پاکیزگی ، جود و سخا، تحمل و بردباری، تواضع و خاکساری، شجاعت و بہادری، خدا کے لیے محبت و نفرت، احسان و نیکی اور شرافت و انسانیت کی باریک سے باریک تر اور نازک ترین شکلیں، برا معاملہ کرنے والے سے عفو و درگزر، قطع تعلق کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی، اور نہ دینے والے کے ساتھ عطاء و بخشش کا معاملہ، اور اس طرح کی بہت سی کیفیات ہیں، جو نمونوں اور مثالوں کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں اور مشاہدہ یا خبر متواتر کے بغیر ان کی تصدیق مشکل ہے۔

اس لیے ہم رسول اللہ ﷺ کے جامع اوصاف کریمہ، جو ان حضرات کے بیان کیے ہوئے ہیں، جو آپؐ سے سب سے زیادہ قریب اور آپؐ کی خلوت و جلوت، اجتماعی، انفرادی اور عائلی زندگی سے خوبی واقف تھے اور جن کی نظر نفسیات انسانی اور اخلاق کی باریکیوں پر بہت گہری تھی، یہاں ذکر کرتے ہیں۔ پھر مختصراً آپؐ کے اخلاق و شمائل کا ذکر کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع اور بلیغ وصف

ذیل میں ہم صرف دو شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ایک ہند بن ابی ہالہ (جو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فرزند اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ماموں ہیں) کی شہادت اور دوسری حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت جو

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل کے بارے میں دی ہے:

ہند و بن ابی ہالہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امور آخرت کی سوچ میں رہتے، اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ کو چین نہیں ہوتا تھا۔ اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے بلا ضرورت کلام نہ فرماتے، گفتگو کا آغاز فرماتے تو دہن مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے [1] اور اسی طرح اختتام فرماتے۔ آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف، واضح اور دو ٹوک ہوتا' نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی نہ زیادہ اختصار، آپ ﷺ نرم مزاج و نرم گفتار تھے۔ درشت خو اور بے مروت نہ تھے۔ نہ کسی کی اہانت کرتے تھے اور نہ اپنے لیے اہانت پسند کرتے تھے [2] نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت زیادہ جانتے خواہ کتنی ہی قلیل ہو (کہ آسانی سے نظر بھی نہ آئے) اور اس کی برائی نہ فرماتے، کھانے پینے کی چیزوں کی برائی کرتے نہ تعریف، دنیا اور دنیا سے متعلق جو بھی چیز ہوتی اس پر آپؐ کو کبھی غصہ نہ آتا لیکن جب خدا کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپؐ کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ اس کا بدلہ لے لیتے۔ آپ ﷺ کو اپنی ذات کے لیے غصہ نہ آتا' نہ اس کے لیے انتقام لیتے، جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے۔ کسی بات پر تعجب فرماتے تو اس کو پلٹ دیتے۔ گفتگو کرتے وقت داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ملاتے' غصہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو روئے انور اس طرف سے

۱۔ یعنی متکبروں کی طرح بے توجہی و بے نیازی کے ساتھ ادھ کٹے الفاظ استعمال نہ فرماتے۔

۲۔ یہاں "مھین" کا لفظ آیا ہے جو "میم" پر ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے اگر "مُھین" مراد لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کی اہانت آپؐ نہ فرماتے تھے۔ اور اگر "مَھین" ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ آپؐ اپنی ذلت و پستی پسند نہ فرماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ درشت خو تھے نہ کمزور طبیعت کے مالک تھے کہ ہر چیز گوارا فرما لیتے بلکہ ہیبت و رعب اور جلال و وقار کے مختلف پہلوؤں کے جامع تھے۔

بالکل پھیر لیتے اور اعراض فرماتے، خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے۔ آپ ﷺ کا ہنسنا زیادہ تر تبسم تھا۔ جس سے صرف آپ ﷺ کے دندان مبارک جو بارش کے اولوں کی طرح پاک وشفاف تھے' ظاہر ہوتے تھے"۔

حضرت علیؓ کو علم وواقفیت کے بہترین ذرائع ومواقع حاصل تھے، وہ قریب ترین اشخاص میں سے تھے اور اسی کے ساتھ وصف نگاری اور منظر کشی میں بھی ان کو سب سے زیادہ قدرت تھی' آپ ﷺ کے اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں:

آپ ﷺ طبعاً بدکلامی اور بے حیائی وبے شرمی سے دور تھے تکلفاً بھی ایسی کوئی بات آپ ﷺ سے سرزد نہیں ہوتی تھی۔ بازاروں میں آپ ﷺ کبھی آواز بلند نہ فرماتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے۔ بلکہ عفو ودرگزر کا معاملہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے کسی پر کبھی دست درازی نہ فرمائی سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو' کسی خادم یا عورت پر آپؐ نے کبھی ہاتھ نہ اٹھایا۔ میں نے آپؐ کو کسی ظلم وزیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی نہیں دیکھا' جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو اور اس کی حرمت و ناموس پر آنچ نہ آئے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا اور اس کے ناموس پر حرف آتا تو آپ ﷺ اس کے لیے ہر شخص سے زیادہ غصہ ہوتے، دو چیزیں سامنے ہوں تو ہمیشہ آسان چیز کا آپ ﷺ انتخاب فرماتے۔ جب دولت خانہ پر تشریف لاتے تو عام انسانوں کی طرح نظر آتے، اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنی سب ضرورتیں خود انجام دے لیتے۔

اپنی زبان مبارک محفوظ رکھتے اور صرف اسی چیز کے لیے کھولتے جس سے آپ ﷺ کو کچھ سروکار ہوتا۔ لوگوں کی دلداری فرماتے اور ان کو متنفر نہ فرماتے، کسی قوم و برادری کا معزز شخص آتا تو اس کے ساتھ اکرام واعزاز کا معاملہ فرماتے اور اس کو اچھے اور اعلیٰ عہدہ پر مقرر فرماتے۔ لوگوں کے بارے میں محتاط تبصرہ کرتے بغیر اس کے کہ اپنی بشاشت اور اخلاق سے ان کو محروم فرمائیں۔ اپنے اصحاب کے حالات کی برابر خبر رکھتے، لوگوں سے

لوگوں کے معاملات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔

اچھی بات کی اچھائی فرماتے اور اس کو قوت پہنچاتے، بری بات کی برائی کرتے اور اس کو کمزور کرتے، آپؐ کا معاملہ معتدل اور یکساں تھا۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا تھا۔ آپؐ کسی بات سے غفلت نہ فرماتے تھے' اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی غافل نہ ہونے لگیں اور اکتا جائیں۔ ہر حال اور ہر موقع کے لیے آپؐ کے پاس اس حال کے مطابق ضروری سامان تھا۔ نہ حق کے معاملے میں کوتاہی فرماتے نہ حد سے آگے بڑھتے۔ آپؐ کے قریب جو لوگ رہتے تھے وہ سب سے اچھے اور منتخب ہوتے تھے۔ آپؐ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل وہ تھا جس کی خیر خواہی اور اخلاق عام ہو، سب سے زیادہ قدر و منزلت اس کی تھی جو غم خواری و ہمدردی اور دوسروں کی مدد و معاونت میں سب سے آگے ہو۔ خدا کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے، اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے، جب کہیں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اسی جگہ تشریف رکھتے اور اس کا حکم بھی فرماتے۔ اپنے حاضرین مجلس اور ہم نشینوں میں ہر شخص کو (اپنی توجہ اور التفات میں) پورا حصہ دیتے۔ آپؐ کا شریک مجلس یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر آپؐ کی نگاہ میں کوئی اور نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپؐ کو کسی غرض سے بٹھا لیتا یا کسی ضرورت میں آپؐ سے گفتگو کرتا تو نہایت صبر و سکون سے اس کی پوری بات سنتے۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنی بات پوری کر کے رخصت ہوتا۔ اگر کوئی شخص آپؐ سے کچھ سوال کرتا اور کچھ مدد چاہتا تو اس کی ضرورت پوری کیے بغیر اسے واپس نہ لوٹاتے۔ یا کم از کم نرم و شیریں لہجہ میں جواب دیتے۔ آپؐ کا حسن اخلاق تمام لوگوں کے لیے وسیع اور عام تھا۔ اور آپؐ ان کے حق میں باپ کی طرح تھے۔ تمام لوگ حق کے معاملہ میں آپؐ کی نظر میں برابر تھے۔ آپؐ کی مجلس علم و معرفت، حیا و شرم اور صبر و امانت داری کی مجلس تھی۔ نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں نہ کسی کے عیوب بیان کیے جاتے تھے، نہ کسی کی عزت و ناموس پر حملہ ہوتا تھا' نہ کمزوریوں کی تشہیر کی جاتی تھی۔ سب ایک دوسرے کے مساوی تھے اور صرف تقویٰ کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی

تھی۔ اس میں لوگ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ رحم دلی اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ مسافر اور نووارد کی حفاظت کرتے اور اس کا خیال رکھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

آپ ﷺ ہمہ وقت کشادہ رو، اور انبساط و بشاشت کے ساتھ رہتے تھے، بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے [1] نہ سخت طبیعت کے تھے نہ سخت بات کہنے کے عادی، نہ چلا کر بولنے والے، نہ عامیانہ اور مبتذل بات کرنے والے، نہ کسی کو عیب لگانے والے، نہ تنگ دل بخیل، جو بات آپ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے (یعنی اس کو نظر انداز کر دیتے اور گرفت نہ فرماتے) اور صراحتاً اس سے مایوسی بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب بھی نہ دیتے۔ تین باتوں سے آپ نے اپنے کو بالکل بچا رکھا تھا۔ ایک جھگڑا دوسرے تکبر اور تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام، لوگوں کو بھی تین باتوں سے آپ نے بچا رکھا تھا۔ نہ کسی کی برائی کرتے تھے، نہ اس کو عیب لگاتے تھے اور نہ اس کی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے، اور صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی۔ جب گفتگو کرتے تھے تو شرکاء مجلس ادب سے اس طرح سر جھکا لیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں (۲) جب آپ خاموش ہوتے تب یہ لوگ بات کرتے۔ آپ کے سامنے کبھی نزاع نہ کرتے، اگر آپ کی مجلس میں کوئی شخص گفتگو کرتا تو بقیہ سب لوگ خاموشی سے سنتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا۔ آپ کے سامنے ہر شخص کی گفتگو کا وہی درجہ ہوتا جو ان کے پہلے آدمی کا ہوتا (کہ پورے اطمینان سے اپنی بات کہنے کا موقع ملتا، اور اسی قدر دانی اور اطمینان کے ساتھ اسے سنا جاتا) ہنسنے کی بات پر آپ بھی ہنستے، اور تعجب والی چیز پر آپ بھی تعجب فرماتے۔ مسافر اور پردیسی کی بے تمیزی اور ہر طرح کے سوال کو صبر

۱۔ یعنی جلد مہربان ہو جانے والے بہت لطف و کرم والے اور بہت آسانی سے درگزر کرنے والے تھے۔ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ آپ کسی سے جھگڑا نہیں فرماتے۔ اس سے مراد سکون و وقار اور خشوع و خضوع بھی ہے۔

۲۔ یعنی ایسے بے حس و حرکت ہوتے گویا ذرا جنبش ہوئی تو چڑیاں اڑ نہ جائیں۔

و تحمل کے ساتھ سنتے، یہاں تک کہ آپؐ کے اصحاب کرامؓ ایسے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے۔ (تاکہ آپؐ پر کوئی بار نہ ہو) آپؐ فرماتے تھے کہ "تم کسی حاجت مند کو پاؤ تو اس کی مدد کرو" آپؐ مدح و تعریف اسی شخص کی قبول فرماتے جو حد اعتدال میں رہتا، کسی کی گفتگو کے دوران کلام نہ فرماتے اور اس کی بات کبھی نہ کاٹتے ہاں اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا تو اس کو منع فرما دیتے یا مجلس سے اٹھ کر اس کی بات قطع فرما دیتے۔

آپؐ سب سے زیادہ فراخ دل، کشادہ قلب، راست گفتار، نرم طبیعت اور معاشرت و معاملات میں نہایت درجہ کریم تھے۔ جو پہلی بار آپؐ کو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، آپؐ کی صحبت میں رہتا اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپؐ کا فریفتہ اور دل دادہ ہو جاتا۔ آپؐ کا ذکر خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپؐ سے قبل میں نے آپؐ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپؐ کے بعد۔ صل اللہ علیٰ نبینا و سلم (شمائل ترمذی منقول از نبی رحمت)

آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ پر ایک نظر

آپ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ دل، نرم طبیعت اور خاندانی لحاظ سے سب سے زیادہ محترم تھے، اپنے اصحاب کرامؓ سے الگ تھلگ نہ رہتے تھے بلکہ ان سے پورا میل جول رکھتے تھے۔ ان سے باتیں کرتے، ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی اور خوش مذاقی کے ساتھ پیش آتے، ان کے بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے، غلام اور آزاد، باندی، مسکین اور فقیر سب کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے خواہ وہ شہر کے آخری سرے پر ہوں۔ عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے [1] آپؐ کو صحابہ کرامؓ کی مجلس میں کبھی پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا کہ اس کی وجہ سے کسی کو تنگی و دشواری نہ ہو، آپؐ کے صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے اشعار سنتے سناتے اور جاہلیت کی بعض باتوں اور واقعات کا تذکرہ کرتے تو آپؐ ساکت رہتے یا تبسم فرما دیتے، آپؐ نہایت درجہ نرم دل، محبت کرنے والے

ا۔ روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ابو نعیم: الحلیہ)

اور لطف و عنایت کا پیکر تھے۔ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے میرے دونوں بیٹوں (حسن حسین رضی اللہ عنھما) کو بلاؤ وہ دوڑتے ہوئے آتے تو آپؐ ان دونوں کو پیار کرتے اور ان کو اپنے سینے سے لگا لیتے۔ (۱) آپؐ کے ایک نواسے کو آپؐ کی گود میں اس حال میں دیا گیا کہ اس کی سانس اکھڑ چکی تھی، آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ رحم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے۔ (۲)

جب بدر کے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباسؓ کی مشکیں کسی گئیں (اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی کراہ سنی تو آپؐ کو نیند نہیں آئی، جب انصار کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ان کی مشکیں کھول دیں، اور یہ خواہش کی کہ ان کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا جائے لیکن آپؐ نے اس بات کو قبول نہ فرمایا۔

آپؐ بے حد شفیق اور مہربان تھے، ان کے احوال کی بہت رعایت فرماتے تھے۔ انسانی طبائع میں جو اکتاہٹ اور وقتی طور پر پست ہمتی یا تعطل پیدا ہوتا رہتا ہے اس کا برابر لحاظ رکھتے تھے۔ اسی لیے وعظ و نصیحت وقفوں کے ساتھ فرماتے تھے کہ کہیں اکتاہٹ نہ پیدا ہونے لگے۔ اگر کسی بچہ کا رونا سن لیتے تو نماز مختصر فرما دیتے، اور یہ فرماتے: "میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں کہ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری و تکلیف نہ ہو۔"

آپؐ فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی دوسرے کی شکایت نہ کرے۔ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل صاف ہو۔ آپؐ مسلمانوں کے حق میں شفیق باپ کی طرح تھے۔ آپؐ فرماتے تھے جس نے ترکہ میں مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے، کچھ قرض باقی ہے تو وہ ہمارے ذمہ۔ آپؐ افراط و

۱۔ ترمذی، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما۔

۲۔ بخاری شریف کتاب المرضیٰ باب عیادۃ الصبیان، نیز کتاب الجنائز باب قول النبیؐ۔ یعذب المیت ببکاء اہلہ

تفریط سے پاک تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب دو کاموں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینی ہوتی تو ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا بشرطیکہ اس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپؐ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اپنی نعمت کا نشان اپنے بندے پر دیکھے۔

آپؐ گھر میں عام انسانوں کی طرح رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود دوہ لیتے تھے اور اپنا کام خود انجام دے لیتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے، جوتا گانٹھ لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ اپنے گھر میں کس طرح رہتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپؐ گھر کے کام کاج میں رہتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے باہر چلے جاتے اور بیان کرتی ہیں کہ آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ کریم تھے اور ہنستے مسکراتے رہتے تھے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے اہل و عیال پر شفیق و رحیم ہو۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے اہل و عیال کے معاملہ میں تم سب سے بہتر ہوں۔'' حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا، اگر خواہش ہوئی تو تناول فرمایا، ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی۔ آپؐ نے کبھی ہوں نہیں کہا اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا اور فلاں کام تم نے کیوں نہ کیا۔ آپؐ کے صحابہ کرامؓ آپؐ کے لیے اس خیال سے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپؐ اس کو پسند نہیں فرماتے اور فرماتے کہ میری اس طرح آگے بڑھ کر تعریف و توصیف نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا تھا۔ میں تو ایک بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مدینہ کی لونڈیاں و باندیوں میں سے کوئی آپ کو

روک لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتی اور جتنی دور چاہتی لے جاتی۔ عدی بن حاتم جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو اپنے گھر بلایا۔ باندی نے تکیہ ٹیک لگانے کے لیے پیش کیا۔ آپؐ نے اس کو اپنے اور عدی کے درمیان رکھ دیا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ عدی کہتے ہیں کہ اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ بادشاہ نہیں ہیں۔ ایک شخص نے آپؐ کو دیکھا تو رعب و جلال سے کانپ گیا۔ آپؐ نے فرمایا "گھبراؤ نہیں میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک خاتون ہی کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ (۱) آپؐ گھر میں جھاڑو دے لیتے، اونٹ باندھتے، ان کو چارہ دیتے، گھر کی خادمہ کے ساتھ کھانا کھا لیتے اور آٹا گوندھنے میں اس کی مدد کر دیتے۔ اور بازار سے خود سودا سلف لے آیا کرتے۔

آپؐ کو اگر کسی شخص کے متعلق ایسی بات معلوم ہوتی جو آپؐ کو ناپسند ہوتی تو یہ نہ فرماتے کہ فلاں صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ یوں کہتے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسے افعال ان سے سرزد ہوتے ہیں یا ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں' اس طرح نام لیے بغیر اس فعل سے روکتے۔

آپؐ کمزور و بے جان جانوروں اور چوپایوں پر شفقت فرماتے، اور ان کے ساتھ نرمی کا حکم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو۔ ذبح کرو تو اچھی طرح کرو۔ تم میں سے جو ذبح کرنا چاہے وہ اپنی چھری پہلے تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو پہلے آرام دے، اور فرمایا کہ ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے خوف کرو۔ ان پر سواری کرو تو اچھی طرح۔ ان کو کھاؤ تو اس حالت میں کہ وہ اچھی حالت میں ہوں۔ خادم، نوکر اور مزدور و غلام کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے اور فرماتے جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے۔ خادم و مددگار تمہارے بھائی ہیں جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اس کو چاہیے کہ

۱۔ ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ

جو خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے۔ جو خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے۔ ان کے سپرد ایسا کام نہ کرو جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

ایک اعرابی آپؐ کے پاس آیا اور پوچھا کہ میں اپنے نوکر کو ایک دن میں کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپؐ نے فرمایا ستر مرتبہ۔ اور فرمایا مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔ (۱)

شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ازل سے فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان اپنی محبوب و محترم ہستی کی ان عادات و خصائل کو بھی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کا نہ وہ شرعاً مکلف ہے نہ قانوناً پابند۔ محبت کا آئین سب سے نرالا ہے، محبّ صادق میں اپنے محبوب کی عادات و خصائل اس کی محبوب و مرغوب چیزوں، اور اس کے مقابلہ میں اس کی ناپسندیدہ چیزوں اور اطوار و عادات کے تحقیق کرنے کی خواہش اور فکر ہوتی ہے اور وہ اس کی نشست برخاست، چال ڈھال، لباس و پوشاک اور ان چیزوں سے بھی واقف ہونا چاہتا ہے، ضابطہ و قانون کے تحت جن کی پابندی ضروری نہیں۔

یہی وہ محرک تھا جس کی بنا پر علماء نے زمانہ قدیم میں بھی شمائل نبوی کے موضوع پر وقیع و عظیم کتابیں لکھیں اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے۔ ان کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت و قبولیت امام ترمذی کی کتاب شمائل کو حاصل ہوئی (۲) ذیل میں اسی کتاب سے مختصراً شمائل نبوی ﷺ پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ تلخیص از نبی رحمت ج ۲، صفحہ ۲۰۷، یہ ساری روایتیں صحاح و سنن سے منقول ہیں اور اصل کتاب میں ان کے حوالہ جات موجود ہیں۔

۲۔ مشہور مورخ و سیرت نگار مفسر حافظ ابن کثیر کی بھی اس موضوع پر مشتمل تصنیف "شمائل الرسول" کے نام سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا نشیب میں اتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپؐ کی نظر نیچی رہتی تھی آپؐ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ آپؐ کی عادت شریفہ عموماً گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی، چلنے میں آپؐ صحابہؓ کو اپنے آگے کر دیتے تھے اور آپؐ پیچھے رہ جاتے تھے۔ جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتداء فرماتے۔

آپؐ کے بال نصف کانوں تک تھے اور ان پٹوں سے جو کان کی لو تک ہوا کرتے ہیں زیادہ تھے، اور ان سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں یعنی نہ زیادہ لانبے تھے نہ چھوٹے بلکہ متوسط درجہ کے۔

آپؐ نے مانگ بھی نکالی ہے۔ سر مبارک میں کثرت سے تیل استعمال فرماتے تھے اور بکثرت داڑھی میں کنگھی کرتے۔ جب وضو فرماتے یا کنگھی کرتے یا موزے پہنتے تو داہنی طرف سے ابتداء کرنا پسند فرماتے۔ آپؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے ہر رات کو تین بار ایک آنکھ میں اور تین بار دوسری آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے۔ لباس میں کرتا سب سے زیادہ پسند تھا۔ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو (اظہار مسرت کے طور پر) اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کرتا مرحمت فرمایا۔ ایسے ہی عمامہ، چادر وغیرہ، پھر یہ دعا پڑھتے:

اللهم لك الحمد كما كسوتنيه اسئلك خيره و خير ما صنع له و اعوذبك من شره و شر ما صنع له

اے اللہ تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں، اور اس کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے۔ یا اللہ تجھی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں اور ان مقاصد کی خوبی چاہتا ہوں جن کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا اور اس کے شر سے اور ان مقاصد کے شر سے جن کے لیے یہ بنایا گیا، تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور فرماتے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو۔ سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہیے، اور سفید ہی کپڑوں میں مردوں کو دفن کرنا چاہیے۔ یہ بہترین لباسوں میں سے ہے۔

نجاشی نے آپؐ کی خدمت میں دو سیاہ سادے موزے بھیجے، آپؐ نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا اور ایسے جوتوں میں نماز پڑھی جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا اور یہ فرماتے کہ ایک جوتا پہن کر کوئی نہ چلے یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں اتار دے۔ بائیں ہاتھ سے کھانے یا صرف ایک جوتا پہن کر چلنے سے آپؐ منع فرماتے تھے اور فرماتے "جوتا پہنو تو پہلے داہنا پیر ڈالو اور اتارو تو پہلے بایاں پیر نکالو"۔ آپؐ نے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے، اور ایک انگوٹھی بنوائی جس کا نقش یہ تھا، محمدؐ ایک سطر میں، رسول دوسری سطر میں، اور اللہ تیسری سطر میں' اور جب بیت الخلا جاتے تو انگوٹھی اتار دیتے۔

آپؐ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں تو سر پر سیاہ عمامہ تھا، عمامہ جب پہنتے تو اس کا شملہ دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال لیتے، حضرت عبید بن خالد المحاربیؓ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سنا کہ لنگی کو اوپر کو اٹھاؤ، میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھا تو وہ حضور رسالت مآب ﷺ تھے، میں نے عرض کیا کہ حضور یہ ایک معمولی سی چادر ہے (اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے) آپؐ نے فرمایا کہ "تمہارے لیے میرا اسوہ نہیں ہے؟ (میں نے آپؐ کے ارشاد پر) آپؐ کی لنگی کو دیکھا تو آدھی پنڈلیوں تک تھی۔

آپؐ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ "میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا" اور (کھانے سے فراغت پر) تین مرتبہ اپنی انگلیاں چاٹتے تھے، آپؐ نے نہ کبھی کھانا چوکی پر تناول فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں، اور نہ کبھی آپؐ کے لیے پتلی روٹیاں (چپاتی کی طرح) پکائی گئیں، حضرت قتادہؓ سے پوچھا گیا، کہ پھر کھانا کس چیز پر تناول فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دستر خوان پر، آپؐ کو کدو' لوکی مرغوب تھی اور حلوہ اور شہد بھی مرغوب تھا، گوشت میں دست کا گوشت پسند کرتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ بات نہیں تھی کہ دست کا گوشت آپؐ کو سب سے زیادہ پسند ہو بلکہ آپؐ کو کبھی کبھی گوشت میسر آتا تھا، اور یہ جلدی گل جاتا ہے اس لیے یہ پسند تھا، تاکہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے

مشاغل عالیہ میں مصروف ہوں اور اسی طرح آپؒ کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

آپؒ فرماتے تھے کہ ”جو شخص بغیر خدا کا نام لیے کھانا کھاتا ہے اس کے ساتھ شیطان شریک ہوتا ہے“اور یہ بھی فرمایا”اگر کوئی کھانا شروع کر دے ، اور بسم اللہ کہنا بھول جائے تو یوں کہہ لے:

بسم الله اوله و آخره

اللہ کے نام سے اس کے شروع میں (بھی) اور آخر میں (بھی)۔

کھانے سے فراغت پر فرماتے تھے:

الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین

اسی خدا ہی کی تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔

اور جب سامنے سے دستر خوان اٹھا دیا جاتا تو فرماتے:

الحمد لله حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه غیر مودع ولا مستغنی عنه ربنا

اللہ تعالیٰ کی بہت اچھی اور بابرکت حمد ہے، وہ اللہ جس سے نہ بے نیاز ہوا جا سکتا ہے، نہ اس کو خیرباد کہا جا سکتا ہے۔ وہ ہمارا پروردگار ہے۔

اور فرماتے کہ ”اللہ اس سے خوش ہوتا ہے کہ بندہ کچھ کھائے اور کچھ پیئے تو اس پر اللہ کی حمد و ثنا کرے۔

آپؒ کو سب سے پسندیدہ مشروب ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا، اور فرماتے ”کھانے اور پانی کا بدل دودھ کی طرح کوئی چیز نہیں“ آپؒ نے زم زم کھڑے ہو کر پیا، اور پانی تین سانس میں نوش فرماتے تھے۔

آپؒ کے پاس ایک عطر دان تھا، جس میں سے عطر لگایا کرتے تھے، اور عطر (اگر کوئی ہدیہ پیش کرتا) رد نہیں کرتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ تین چیزیں رد نہیں کرنی چاہئیں

(۱) تکیہ، (۲) تیل خوشبو (۳) اور دودھ۔ اور فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح لگاتار جاری نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ صاف صاف، ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے اور (بعض مرتبہ) کلام کو (حسب ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے، تاکہ آپؐ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں، اور آپؐ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا، عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا، اور بعض اوقات آپؐ اس طرح بھی ہنسے کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے تو تبسم فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ میل جول اور مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضور اس سے فرماتے "یا ابا عمیر ما فعل النغیر؟" ارے ابو عمیر وہ چڑیا کا بچہ کہاں گیا[1] صحابہ کرامؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضور آپؐ ہم سے خوش مزاجی بھی فرمایا کرتے ہیں، ارشاد فرمایا، ہاں، مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔ آپؐ مثال کے طور پر کبھی حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شعر بھی پڑھتے تھے، اور کبھی کسی اور شاعر کا چنانچہ کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے:

ویاتیك بالاخبار من لم تزود

(یعنی تمہارے پاس کبھی وہ بھی خبریں لے کر آتا ہے، جس کو تم نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا)

اور کبھی فرماتے کہ سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ کی یہ بات ہے

۱۔ ابو عمیر کے پاس ایک چڑیا کا بچہ تھا، جس کو پنجرے میں بند کر رکھا تھا اور اس سے کھیلتے تھے وہ مر گیا تو آپ نے مزاحاً یہ فرمایا۔

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل

(آگاہ ہو جاؤ، اللہ جل شانہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے)

ایک مرتبہ ایک پتھر آپ کی انگلی میں لگ گیا جس کی وجہ سے وہ خون آلودہ ہو گئی تھی تو حضورؐ نے یہ شعر پڑھا۔

هل انت الا اصبع دميت وفی سبيل الله ما لقيت(۱)

(تو ایک انگلی ہے جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہنچی کہ خون آلود ہو گئی، اور یہ رائیگاں نہیں گیا بلکہ اللہ کی راہ میں یہ تکلیف پہنچی)

اور جنگ حنین کے موقع پر آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

(میں بلاشک و شبہ نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں)

آپؐ نے شعر پڑھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی اور اس پر انعام بھی دیا اور اس کو پسند بھی فرمایا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سو سے زیادہ مجلسوں میں بیٹھا ہوں جن میں صحابہ اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانے کے قصے اور واقعات نقل کرتے تھے اور آپؐ (ان کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ تبسم بھی فرماتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور ﷺ کی تعریف میں مدحیہ اشعار پڑھیں اور آپؐ کی طرف سے مدافعت کریں۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ روح القدس کے ذریعہ حسانؓ کی مدد فرماتے ہیں جب تک وہ دین کی طرف سے دفاع یا رسول اللہ ﷺ کی

۱۔ اس شعر کے بارے میں بظاہر یہ اشکال ہے کہ قرآن پاک میں آپ کی توصیف میں فرمایا گیا ہے وما علمنه الشعر وما ينبغی له (یٰسین ۳۶: ۶۹)

اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ زبان پر موزوں کلام کا جاری ہو جانا اس کے منافی نہیں۔ دوسری بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ یہ دوسرے کا شعر ہے جس کو آپ نے بطور استشہاد اس موقع پر پڑھا۔

طرف سے جواب دیتے رہیں۔

اور جب آپؐ آرام فرماتے تو داہنا ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے، اور پھر فرماتے:

رب قنی عذابك یو م تبعث عبادك

اے میرے رب جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا تو مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

اور جب بستر پر تشریف لے جاتے تو فرماتے:

اللهم باسمك اموت واحیی

اے اللہ آپ ہی کے نام پر میں مروں اور زندہ رہوں۔

اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد لله الذی احیانا بعد امتانا والیه النشور

(اس خدا کی تمام تعریفیں ہیں جس نے مارنے کے بعد ہم کو زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے)۔

آپؐ کا بستر جس پر استراحت فرماتے تھے، چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپؐ مریض کی عیادت کرتے اور جنازہ میں شریک ہوتے تھے، غلام کی بھی دعوت قبول فرماتے، آپؐ نے ایک پرانے پالان پر سوار ہو کر حج فرمایا جس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا۔ اور فرماتے کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کرلوں اور اس کی دعوت کی جائے تو میں ضرور جاؤں، اور آپؐ کی عادت شریفہ تھی کہ ناگوار بات کو رو در رو منع نہیں فرماتے تھے، آپ ہدیہ قبول فرماتے، اور اس پر بدلہ بھی دیتے تھے، شرم و حیا میں آپؐ اس کنواری لڑکی سے بھی (جو اپنے پردہ میں ہو) بہت بڑھے ہوئے تھے اور جب کوئی بات ناگوار خاطر ہوتی تو چہرہ سے فوراً پہچان لی جاتی۔

دعوۃ اکیڈمی کے اغراض ومقاصد

☆ دعوت وتبلیغ کے میدان میں تعلیمی، تربیتی اور تحقیقی پروگراموں کی منصوبہ بندی کرنا اور انہیں فروغ دینا۔

☆ مساجد کے ائمہ اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے تربیتی پروگرام تیار کرنا۔

☆ دعوتی میدان میں اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اس کو پھیلانے کے لیے مناسب منصوبہ بندی۔

☆ دعوتی نقطہ نظر سے سمعی وبصری پروگرام تیار کرنا۔

☆ ملک کے اندر اور باہر دعوت اسلامی کے مقاصد رکھنے والے دیگر اداروں کے ساتھ تعاون اور رابطہ۔

☆ خط وکتابت کے ذریعہ عوام الناس تک دین کی دعوت پہنچانا۔

☆ دعوت وتبلیغ کا ایک بین الاقوامی معلوماتی مرکز قائم کرنا۔

☆ اکیڈمی کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے علاقائی مراکز قائم کرنا۔

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

پوسٹ بکس : 1485 اسلام آباد، پاکستان فون : 2262031 ,4~9261751 فیکس : 2261648

ای میل : dawah@isb.compol.com ویب سائٹ : www.dawahacademy.org